دارالعلوم دیوبند کی

پچاس

از رشحاتِ قلم
حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مثالی شخصیات

مُقدّمہ
مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

مکتبہ فیضُ القرآن نزد مسجد چھتہ، دیوبند (یو، پی)

دار العلوم دیوبند کی

۵۰ پچاس مثالی شخصیات

معہ مختصر جامع تاریخ دار العلوم دیوبند

از رشحات قلم

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ،

ترتیب

جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

پیش لفظ

شیخ الاسلام علامہ تقی عثمانی صاحب پاکستان

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند یوپی پن ۲۴۷۵۵۴

باسمہٖ تعالیٰ

نام کتاب — دار العلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات

تصنیف — حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

مُرتب — حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

مُصحح — مولانا عبید الرحمٰن فاضل خیر المدارس ملتان

تاریخ — جولائی ۱۹۹۹ء

تعداد — ایک ہزار ۱۰۰۰

طباعت — رحمانی آفسیٹ پرنٹرس دیوبند فون۔ 23565

ناشر

مکتبہ فیض القرآن

دیوبند، ضلع سہارنپور، یوپی

پن کوڈ ۲۴۷۵۵۴، فون ۲۲۴۰۱ (۰۱۳۳۶)

عرضِ ناشر

الحمدللہ! اس سال فتاویٰ شامی کامل مع تکملہ وتقریرات رافعی خطبات قاسمی کامل پانچ جلد، خطبات الاحکام، حدیث کا درایتی معیار، اسلام اور جدید دور کے مسائل، لطائف علمیہ، خطبات توحید، آداب المعاشرت، اور رسول اکرم کا طریقہ نماز کے بعد ادارے کی جدید زیر نظر کتاب، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم ادارے کے جملہ معاونین کے شکر گذار ہیں جن کے مسلسل تعاون سے سابقہ کتابوں کے ساتھ ساتھ بہت کم عرصہ میں یہ جدید کتب ادارہ شائع کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے قلم کا ایک اور عظیم شاہکار جس میں حضرت نے دارالعلوم دیوبند کے جید علمار کے مختصر لیکن جامع حالات پیش فرمایا ہے۔ ابتدار کتاب میں جناب مفتی تقی عثمانی (پاکستان) کا نہایت جامع مقدمہ اور دارالعلوم دیوبند کی مختصر تاریخ ہے جس سے اس کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

ہم شکر گذار ہیں جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری کے جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب کا اہم کام انجام دیا۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مصنف، مرتب اور ناشر کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادے آمین

طالبِ دُعا

تاج عثمانی

نگراں مکتبہ فیض القرآن دیوبند

فہرست پچاس مثالی شخصیات

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

نبیِّ اکرم شفیعِ اعظم دُکھے دِلوں کا پیام لے لو
تمام دُنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

شکستہ کشتی ہے تیز دھارا نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا خبر تو عالی مقام لے لو

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہُوا ہے بدظن تمہیں محبت سے کام لے لو

کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دُنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیرُ الانام لے لو

یہ کیسی منزل پہ آ گئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ دِل میں ارماں ہے اپنے طیّب مزارِ اقدس پہ جا کے اِک دِن
سُناؤں ان کو میں حالِ دِل کا کہوں میں ان سے سلام لے لو

زندگی کے آخری ایام میں پیش آنے والے جگر خراش اور جانکاہ حادثات نے
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری **محمد طیّب** صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کے حساس دل کو
جس طرح زخمی کیا اس کا حال ان کی زندگی کی اس آخری نعت کے ایک ایک حرف سے عیاں ہے

محرر از عصر - عبدالقدوس

بحوالہ، دینی دسترخوان (جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا)، جلد اوّل

پیش لفظ

شیخ الاسلام علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی دارالعلوم دیو بند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی۔ جس نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے دوسرے حضرات کا جلوہ جہاں آراء دیکھا تھا۔ جس ہستی کی تعلیم و تربیت میں علم و عمل کے ان مجسم پیکروں نے حصہ لیا ہو۔ اس کے اوصاف و کمالات کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے مشکل ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے پیکر میں معصومیت، حسن اخلاق اور علم و عمل کے جو نمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں ان کے نقوش دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکتے۔

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکمت دین کی جو معرفت حضرت نانوتوی قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی اس دور میں حضرت قاری صاحب اس کے تنہا وارث تھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج و مذاق میں جذب کر کے انہیں شرح و بسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس و تصنیف کے لئے باقاعدہ وقت بہت کم ملا۔ اور نو عمری ہی میں دارالعلوم دیو بند جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آگئیں۔ ان ذمہ داریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عموماً" علمی مشاغل سے دور کر کے اس کی علمی استعداد پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں۔ لیکن حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا معاملہ

اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھا۔ انتظامی بکھیڑوں میں مبتلا رہنے کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور ان کی علمی استعداد سدا بہار رہی۔ احقر کے والد ماجد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور حضرت قاری صاحب قدس سرہ بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی اور زندگی کے ہر مرحلے میں ایک دوسرے کے رفیق رہے۔ دونوں نے دارالعلوم دیو بند میں ساتھ پڑھا' ساتھ فارغ ہوئے' ساتھ ہی پڑھانا شروع کیا' دونوں ایک ہی وقت حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک ہی ساتھ تھانہ بھون حاضر ہو کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور تقریباً" ساتھ ہی دونوں کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔ ۱۳۴۵ھ میں سب سے پہلا حج بھی دونوں نے ساتھ کیا۔ غرض ظاہری تعلیم اور باطنی تربیت سے لے کر سیرو تفریح تک ہر چیز میں دونوں کی رفاقت مثالی رفاقت تھی۔ پھر جب قیام پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور آزادی ہند کے طریق کار سے متعلق علماء دیو بند کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی طرف مائل تھا۔ لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو عملی سیاست سے بالکلیہ یکسو کر کے ہمہ تن دارالعلوم دیو بند کی خدمت کے لئے وقف کیا ہوا تھا۔ اس لئے یہ نقطہ نظر اسٹیج پر نہ آسکا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پاکستان کے بعد یہاں تشریف لے آئے اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دارالعلوم کی گراں بار ذمہ داری کے پیش نظر دیو بند چھوڑنے کا سوال ہی نہ تھا۔ لیکن یہ بات میں نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنی کہ جس روز حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیو بند سے پاکستان کے لئے روانہ ہوئے اس روز میں دن بھر روتا رہا۔ آپ نے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے موقع پر جو تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا اس میں بھی لکھا تھا کہ

"تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے پاکستانی قومیت اختیار فرمائی اور یہاں

ے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے گئے تو میں کسی مرنے والے کے لئے بھی اتنا بھی نہیں رویا تھا جتنا آپ کے فراق پر رویا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سب گھر والے پریشان ہو گئے تھے کہ آخر کیا حادثہ پیش آگیا جو اتنا گریہ طاری ہے۔ یہ تعلق کی بناء پر تھا کہ ابتدائے عہد سے ہم رفیق رہے تھے۔"

اس کے بعد سے وہ ہمہ وقتی رفاقت چھوٹ گئی۔ لیکن قلب و روح کا رشتہ کسی مرحلے پر نہ ٹوٹا ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ

"کل یہاں مستحسن صاحب فاروقی کے ساتھ مولوی ظہور احمد صاحب نے میری بھی دعوت کی تھی۔ آپ ہی کے مکان سے متصل منشی بشیر احمد صاحب مرحوم کے مکان میں کھانا کھلایا۔ مکان دیکھ کر مکینوں کی یاد تازہ ہو گئی اور دیر تک اس تصور میں استغراق رہا۔"

یہ لکھنے کے بعد حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے متمم بن نویرہ کے ان اشعار سے تمثل فرمایا کہ

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدهر حتى قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا
لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

قیام پاکستان کے بعد بارہا حضرت قاری صاحب قدس سرہ کراچی تشریف لائے۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کراچی تشریف لانے کے بعد آپ دارالعلوم تشریف نہ لائیں چنانچہ ہر بار خدام دارالعلوم کو اپنی شفقتوں سے بہرہ ور فرماتے۔ طلباء اور اساتذہ سے خطاب بھی ہوتا۔ اور پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے درمیان جو باغ و بہار مجلس ہوتی اس میں علمی تبادلہ خیال کے علاوہ ماضی کے تذکرے زمانہ طالب علمی کی یادیں، اساتذہ کے واقعات اور نہ جانے کتنے موضوعات پر گفتگو آتی اور ہم خدام کو افادات کا نہ جانے کتنا خزانہ ہاتھ آجاتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کو تصنیف اور خطابت

دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا۔ اگرچہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت تھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھی۔ حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو، لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے۔

چنانچہ آپ کی دسیوں تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں اور ان کے مطالعہ سے دین کی عظمت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک وعظ و خطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے۔ نہ جوش و خروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پر تکلف لسانی، نہ لہجہ اور نہ ترنم نہ خطیبانہ ادائیں لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر موثر دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوئے تھے مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ لیکن الفاظ و معانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب و دماغ کو نہال کر دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں۔ ان کی تقریر میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا جو انسان کو زیر و زبر کرنے کی بجائے دھیرے دھیرے اپنے ساتھ بہا کرلے جاتا تھا۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد و نظریات سے تائب ہوئے۔

لاہور میں ایک صاحب علماء دیوبند کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ سے بہت متاثر اور علماء دیوبند سے بری طرح برگشتہ تھے۔ طرح طرح کی بدعات میں مبتلا، بلکہ ان کو کفر ایمان کا معیار قرار دینے والے، اتفاق سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور وہاں ایک مسجد میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا۔ یہ صاحب خود سناتے ہیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ان کے وعظ میں اس نیت سے

پہنچا کہ انہیں اعتراضات کا نشانہ بناؤں گا اور موقع ملا تو اس مجلس کو خراب کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اول تو ابھی تقریر شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معصوم اور پر نور چہرہ دیکھ کر ہی اپنے عزائم میں زلزلہ سا آگیا۔ دل نے اندر سے گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی بے ادب گستاخ یا گمراہ کا نہیں ہو سکتا۔ پھر جب وعظ شروع ہوا اور اس میں دین کے جو حقائق معارف سامنے آئے تو پہلی بار اندازہ ہوا کہ عالم دین کسے کہتے ہیں۔؟ یہاں تک کہ تقریر کے اختتام تک میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آگے موم ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی اور اللہ تعالی نے بزرگان دین کے بارے میں ایسی بدگمانیوں سے نجات عطا فرمائی۔ برصغیر کا تو شاید ہی کوئی کونہ ایسا ہو جہاں حضرت قاری رحمۃ اللہ علیہ کی آواز نہ پہنچی ہو۔ اس کے علاوہ افریقہ ' یورپ اور امریکہ تک آپ کے وعظ و ارشاد کے فیوض پھیلے ہوئے ہیں اور ان سے نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کا منصب اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی' حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال سے زائد اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے لیکن حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا اور اپنی ساری زندگی دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پر سکون ہی دیکھا۔ اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے متعلمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا۔ دیو بند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر اس سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کر سکتا۔ لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پر سکون دیکھا۔ چہرے پر تھکن ضرور تھی لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی۔

افسوس ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیو بند میں باہمی اختلافات نے جن ہنگاموں کی شکل اختیار کی' انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کردیا۔ دور ہونے کی وجہ سے ہمیں تمام حالات و واقعات سے واقفیت تو نہ تھی

لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہو گی؟ اس زمانے کے حالات اس قدر پیچیدہ ہیں اور ان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق و ناحق کا فیصلہ تو شاید آخرت ہی میں ہو سکے گا لیکن اتنی بات واضح ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹوں نے ان کی نصف صدی سے زائد کی خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں ان کو دیا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی زندگی تک ایک ضعیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے۔ لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کر دیا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دم سے دارالعلوم دیوبند میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں اور اس کے مخصوص مزاج و مذاق کی جھلک باقی تھی۔ اب دارالعلوم کی ان روایات کا اللہ ہی حافظ ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بلاشبہ پوری امت کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ وہ ۴ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ کو ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے تھے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند میں سلف کی آخری یادگار تھے۔ ان کی وفات کسی ایک شخص کی وفات نہیں۔ یہ ایک پورے عہد کا، اس کے مزاج و مذاق کا اور اس کی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے۔ اور اس کے سانحے کی ٹیس نہ جانے کب تک دلوں میں تازہ رہے گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

و ما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تہد ما

ہم میں سے ہر شخص پر ان کا حق ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق انہیں ہمیشہ ایصال ثواب کرتے رہیں۔ حق تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائیں۔ البتہ حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا زندگی میں جن بزرگوں اور جن معاصر علماء کرام سے کسی بھی نوعیت کا رابطہ اور تعلق رہا اور جو ان کی زندگی ہی میں اس دنیا سے سدھارے اور آخرت کی منزل کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے اپنے طبعی تاثرات و مشاہدات ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند "القاسم دیوبند" اور دیگر

کتب و رسائل میں وقتاً" وقتاً" تحریر فرمائے۔ خصوصاً" "تاریخ دار العلوم دیو بند" میں آپ نے اکابر و اساتذہ اور معاصر علماء کے حالات و خدمات وغیرہ کا جو تذکرہ لکھا ہے ان میں سے انتخاب کر کے " پچاس مثالی شخصیات" کے عنوان سے برادر مکرم جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ شذرات یکجا کتابی شکل میں جمع فرما دیئے ہیں۔ جو لائق تحسین کام ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان نادر تاثرات و شذرات سے ان مثالی شخصیات کے ایسے خدوخال نقوش اور زندگی کی عمومی جھلک سامنے آگئی ہے۔ جو تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں کے لئے کار آمد ثابت ہو گی۔ یہ مجموعہ مضامین کتابی صورت میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے شائع ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو قارئین اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں کے لئے مفید و نافع بنائے۔

مرقعِ عقیدت

از حضرت مولانا قاری محمد عبد العزیز شوقی اسعد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بخدمت عالی جناب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب

اے حکیمِ عالمِ اسلام ! اے شیخ جلیل — ذوقِ علم و فن کی رونق ہے تیرا ذکرِ جمیل
اے خطیبِ ملک ! اے ملت کے سحبانِ کبیر — حُسنِ رازیؒ و غزالیؒ زینتِ ابنِ کثیر
اے مجاہد، اے زعیمِ قوم، دانائے عظیم ! — زیب دیتا ہے۔ اگر تجھ کو کہیں فخرِ کلی
اے علومِ قاسمی کے شارحِ شیریں اَدا — نُدرتِ انشا تری کلکِ اَزل کی ہم
اے سریر آرائے بزمِ مُرشد اے قطبِ زماں — تیرے فیضِ خاص سے سیراب ہے سارا جہاں
ثانیٔ قاسمؒ ہے۔ احمدؒ کا جگر پارہ ہے تو — ہاں رشیدؒ و اشرفؒ و محمودؒ کا پیارا ہے
تُو صلاح و خیر کی اقلیم کا ہے تاجدار — شوکتِ تقوائے تری ہر ہر اَدا سے آشکا
تُو نے رکھا پرچمِ اسلاف دُنیا میں بلند — تجھ پہ نازاں کیوں نہ ہو دارُالعلوم دیو
تیرے اخلاقِ کریمانہ کا ہر خاطر اسیر — نورِ باطن سے ترے ہر ذرۂ دل مستنیـ
نطق کو تیرے میسر قوتِ رُوح الأمیں — فکر تیرا لامکانی سطوتوں کا ہے مکیں
صُورتِ طیّب تری آوازۂ طوبیٰ نصیب — سیرتِ اکمل میں ہے اسلاف کا رنگِ عجیب
تیری ایمانی فراست روکشِ اعجاز ہے — تیری آنکھوں میں خدا والوں کا ہر انداز ہے

علم تیرا بے نظیر اعمال تیرے بے مثال
شوقیؔ ناکارہ کو تعریف کی ہے کب مجال

بشکریہ قاری حبیب الرحمن صاحب
حضرت شوقی صاحب

مختصر تاریخ دار العلوم دیو بند

تمہید

تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی' ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا' دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا۔ صرف ڈھول کی منادی میں "ملک بادشاہ کا" رہ گیا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے۔ دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں۔ علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کے بجائے جاہلانہ رسوم و رواج' شرک و بدعت اور ہوا پرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے۔ مشرقی روشنی پھیلتی جا رہی تھی ۔ اور مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا جس سے دہریت الحاد' فطرت پرستی اور بے قیدی' نفس آزادی فکر اور بیباکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جس سے نگاہیں خیرہ ہو چکی تھیں۔ اسلام کی جیتی جاگتی تصویر بیمار آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خدوخال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا۔ چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا۔ خوش آواز اور شیریں ادا پرندوں کے زمرے مدھم ہوتے جا رہے تھے اور ان کی جگہ زاغ و زغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی۔ یہ اور اسی قسم کے اور ہزارہا حوادث اور المناک واقعات کے چند اجمالی عنوانات ہیں۔ جن سے اس وقت کے ہندوستان کی مسموم فضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ۔

اند کے با تو بگفتیم و بدل نزسیدم

کہ از دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا اور یہ کہ اب ہندوستان بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کے لئے کمربستہ ہو چکا ہے۔ کہ چند نفوس

قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارہ میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں۔ کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعہ مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے راستہ سے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی ' معاشرتی ' اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں ڈھانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہنمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ ان مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے رہنما اور لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے۔ اور ان کی یہ باہمی گفت و شنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا بلکہ تبادلہ الہامات تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین اور مسلمین کے لئے اب ایک مدرسہ قائم کیا جائے کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے۔ کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ مجھے منجانب اللہ الہام کیا گیا ہے کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے۔ ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارہ میں منجانب اللہ پر واقع ہوا۔

اس سے یہاں یہ واضح ہے کہ اس وقت ہندوستان میں قیام مدرسہ کی یہ

تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی بلکہ الہامی تھی وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردہ میں ملک گیر اصلاح کی اسپرٹ چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا۔ جس کے تدارک کی فکر تھی۔ وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا اس لئے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیری پنہاں تھی۔ گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی مگر اس وقت اس میں ایک نادر شجر طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس سلسلہ میں ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارہ کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی۔

بنائے دار العلوم

کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ مبارک تجویز عملی صورت میں نمودار ہوئی۔ اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دار العلوم کی بناء رکھ دی گئی۔

بناء رکھنے کی تفصیلات سوانح قاسمی میں ملیں گی۔ اس بناء میں خصوصیت سے حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قدس سرہ قابل ذکر ہیں جن کا ہاتھ ابتداء ہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا۔ یہ حضرات خصوصیت سے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے دست و بازو رہے ہیں اور بناء مدرسہ کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن رکین کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً" شریک رہے ہیں۔ بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس خیر کے رکن رکین ہوئے اور بالآخر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد و ایماء پر دار العلوم کے عہدہ اہتمام پر فائز ہوئے اور آپ کا عہد اہتمام خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ دار العلوم کی معنوی بناء کے لئے تو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آٹھ اصول

قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارہ میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں۔ کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعہ مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے راستہ سے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی ' معاشرتی' اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں ڈھانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہنمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ ان مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے رہنما اور لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے۔ اور ان کی یہ باہمی گفت و شنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا بلکہ تبادلہ الہامات تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین اور مسلمین کے لئے اب ایک مدرسہ قائم کیا جائے کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے۔ کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ مجھے منجانب اللہ الہام کیا گیا ہے کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے۔ ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارہ میں منجانب اللہ پر واقع ہوا۔

اس سے یہاں یہ واضح ہے کہ اس وقت ہندوستان میں قیام مدرسہ کی یہ

تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی بلکہ الہامی تھی وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردہ میں ملک گیر اصلاح کی اسپرٹ چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا۔ جس کے تدارک کی فکر تھی۔ وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا اس لئے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیری پنہاں تھی۔ گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی مگر اس وقت اس میں ایک تناور شجر طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اس سلسلہ میں ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجتہ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارہ کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی۔

بنائے دارالعلوم

کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ مبارک تجویز عملی صورت میں نمودار ہوئی۔ اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو دارالعلوم کی بناء رکھ دی گئی۔

بناء رکھنے کی تفصیلات سوانح قاسمی میں ملیں گی۔ اس بناء میں خصوصیت سے حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب قدس سرہ اور حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قدس سرہ قابل ذکر ہیں جن کا ہاتھ ابتداء ہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا۔ یہ حضرات خصوصیت سے حضرت نانوتوی قدس سرہ کے دست و بازو رہے ہیں اور بناء مدرسہ کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن رکین کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً" شریک رہے ہیں۔ بعد میں حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس خیر کے رکن رکین ہوئے اور بالآخر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد و ایما پر دارالعلوم کے عہدہ اہتمام پر فائز ہوئے اور آپ کا عہد اہتمام خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ دارالعلوم کی معنوی بناء کے لئے تو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آٹھ اصول

تحریر فرمائے۔ جو اس ادارہ میں تمام قوانین کے لئے اساس و بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ اصول عملی تجویز فرمائے جو اس ادارہ کے نظم و انتظام کی اساس و بنیاد ہیں۔ دونوں بزرگوں کے اصول ہشتگانہ درج ذیل ہیں جو اس دارالعلوم کی حکمت عملی اور نظم و انتظام کی اساس ہیں۔

دارالعلوم کی تاسیس اور پیشین گوئیاں

دیو بند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں۔ ایک انار کا درخت ہے اسی درخت کے نیچے سے آب حیات کا چشمہ پھوٹا اور اسی چشمہ نے ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کر دی اور دوسری طرف اس کی تیز و تند رو نے شرک ' بدعت ' فطرت پرستی ' الحاد و دہریت اور آزادی فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روز بد دکھایا تھا۔ بانی دارالعلوم کا یہ خواب کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہیں۔" پورا ہوا اور مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہو گئی۔ دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کا یہ خواب کہ علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں۔ خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔

اور اس مدرسہ کے ذریعہ ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیئے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے۔ جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوس قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دیو بند سے گزرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تھے جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے تو فرمایا تھا کہ "مجھے اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے۔" پس وہ خوشبو جس کو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی قوت شامہ نے سونگھا تھا ایک سدا بہار گلاب کے پھول بلکہ گلاب آفریں درخت کی شکل میں آ گئی

جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختہ گلاب بن گیا۔ کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی، بیج سے کلی کھلے گی، شگفتہ کلی سے پھول بنے گی، پھول سے گلدستہ بنے گی، اور اس گلدستہ کی خوشبو سے سارا عالم انسانی مہک اٹھے گا اور کسے پتہ تھا کہ ایشیاء کی فضاء میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس وقت کے برطانوی ہند میں فاتح قوم (انگریز) کو فکر تھی کہ ہندوستان کے دل و دماغ کو یوروپین سانچوں میں کس طرح ڈھالا جائے جس سے برطانویت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے۔ ظاہر ہے کہ دل و دماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم ہو سکتی تھی۔ جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے۔ جن کو لے کر تعلیم آگے آئی ہے۔ اس لئے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کے لئے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی اور وہ اسکول اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یورپ سے ہندوستان پہنچا۔ اور یہ نعرہ بلند کیا کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں۔" "یقیناً" یہ آوازہ جب ایک فاتح اور برسراقتدار قوم کی طرف سے اٹھا اور تھا بھی وہ تعلیم کا...... جو بذات خود ایک انقلاب آفرین حربہ ہے تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطرہ خواہ اثر ڈالا۔ اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنی شروع ہو گئیں جو اپنے گوشت پوست کے لحاظ سے "یقیناً" ہندوستانی تھیں۔ لیکن اپنے طرز فکر اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جامہ میں نمایاں ہونے لگیں۔ اس ذہنی مگر خطرناک انقلاب کو دیکھ کر بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ نے دارالعلوم قائم کرکے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ.....

"ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں...... جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات بیدار ہوں اور دین و سیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو۔ اس کا ایک ثمرہ یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا اور بات یکطرفہ نہ رہی بلکہ ایک طرف اگر مغربیت شعار افراد نے جنم لینا

شروع کر دیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اور اسلامیت طراز جذبہ بھی برابر کے درجہ میں سامنے آنا شروع ہو گیا۔ جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے خشک و تر کو بہا لے جائے گا۔ بلکہ اگر اس کی رو کا ریلا بہاؤ پر آئے گا تو ایسے بند بھی باندھ دیئے گئے ہیں جو اسے آزادی سے آگے نہ بڑھنے دیں گے بہر حال وہ ساعت محمود آگئی کہ مدرسہ کا آغاز ہوا اور اس کی یہ تعمیرو دفاع کی جلی تعلیم عملاً ساعت وجود پر آگئی۔ ملا محمود دیو بندی نے (جو حضرت بانی دارالعلوم کے امر پر مدرسہ دیو بند کا یہ تعلیمی منصوبہ جاری کرنے کے لئے بحیثیت مدرس میرٹھ سے دیو بند تشریف لائے)....... اپنے سامنے ایک شاگرد کو (کہ ان کا نام بھی محمود ہی تھا اور آخر کار شیخ الہند مولانا محمود حسن کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے) بٹھا کر کسی عمارت میں نہیں جو مدرسہ کے نام سے بنائی ہو بلکہ چھتہ کی مسجد کے کھلے صحن میں ایک انار کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اس مشہور عالم درسگاہ دارالعلوم دیو بند کا افتتاح کر دیا۔ نہ کوئی مظاہرہ تھا نہ شہرت پسندی کا (درکار) اور جذبہ نہ نام و نمود کی تڑپ تھی۔ اور نہ پوسٹرو اشتہارات کی بھرمار' بس ایک شاگرد اور ایک استاد' شاگرد بھی محمود اور استاد بھی محمود' دو نفرسے یہ لاکھوں کے ایمانوں کی حفاظت کی سکیم معرض وجود میں آگئی۔ سادگی اور ندرت ایمان کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ جو سنت نبوی اور اتباع سلف کی روح ہے۔ مقصد نہ ترفہ تھا نہ "تنعم" نہ تعیش نہ تزین، نہ تفاخر نہ تکاثر بلکہ صرف "ما انا علیہ الیوم و اصحابی" کا مرقع بنانا اور "علیکم بسنتی و اتبع سبیل من اناب الی" کی سیدھی راہ کی عملی تصویر کھینچی تھی۔ اور اس تصویر کشی میں کمال احتیاط و اعتدال بھی پیش نظر تھا کہ صراط مستقیم کے یہ خطوط کہیں ان بہتر فرقوں کے خطوط سے نہ مل جائیں جنہیں شریعت کی اصطلاح میں سبل متفرقہ کہا گیا ہے۔

ہفتاد و دو طریق حسد کے عدد سے ہیں
اپنا ہے وہ طریق کہ باہر حسد سے ہے

اس لئے جامعیت و اعتدال اور دین و دانش کے ملے جلے اندازوں کے ساتھ اس درسگاہ میں تعلیم و تربیت کا خط مستقیم کھینچا گیا........

۳۔ دار العلوم کا سلسلہ سند و استناد

دار العلوم دیو بند کا سلسلہ سند حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرہ العزیز سے گزرتا ہوا نبی کریم ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔ شاہ صاحب اس جماعت دیو بند کے مورث اعلی ہیں جن کے مکتب فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی۔ حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا پھر علوم شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل و نقل طرز میں پیش فرمایا۔ جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کرکے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ انداز پنہاں تھا۔ حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ بانی دار العلوم دیو بند نے ولی اللہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا جو انہیں ولی اللہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا بلکہ مزید تنور کے ساتھ اس کے نقش و نگار میں اور رنگ بھرا اور وہی منقولات جو حکمت ولی اللہی کے معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے۔ حکمت قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہوئے۔ پھر آپ کے سہل ممتنع انداز بیان نے دین کی انتہائی گہری حقیقتوں کو جو بلا شبہ علم لدنی کے خزانہ سے ان پر بالہام غیب منکشف ہوئیں۔ استدلالی اور لمیاتی رنگ میں آج کی خوگر محسوس یا حس پرست دنیا کے سامنے پیش کر دیا اور ساتھ ہی اس خاص مکتب فکر کو جو ایک خاص طبقہ کا سرمایہ اور خاص حلقہ تک محدود تھا۔ دار العلوم دیو بند جیسے ہمہ گیر ادارہ کے ذریعہ ساری اسلامی دنیا میں پھیلا دیا۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ولی اللہی مکتب فکر کے تحت دیو بندیت درحقیقت قاسمیت یا قاسمی طرز فکر کا نام ہے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ کے وصال کے بعد اس دار العلوم کے سرپرست ثانی قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دار العلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع تفقہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی پیدا ہوا اور اسی طرح فقہ اور فقہا کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔

ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد دارالعلوم کے اولین صدر جامع العلوم اور شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے جو حضرت بانی دارالعلوم سے سلسلہ تلمذ بھی رکھتے تھے۔ دارالعلوم کی تعلیمات میں عاشقانہ والہانہ اور مجذوبانہ جذبات کا رنگ بھرا۔ جس سے یہ صہبائے دیانت سہ آتشی ہو گئی۔

آپ کے وصال کے بعد دارالعلوم دیو بند کے سرپرست ثالث شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند جو حضرت بانی دارالعلوم قدس سرہ کے تمیذ خاص بلکہ علم و عمل میں نمونہ خاص تھے ان تمام الوان علوم کے محافظ ہوئے اور انہوں نے چالیس سال دارالعلوم کی صدارت تدریس کی لائن سے علوم و فنون کو تمام منطقہ ہائے اسلامی میں پھیلایا اور ہزارہا تشنگان علوم ان کے دریائے علم سے سیراب ہو کر اطراف میں پھیل گئے۔ اس لحاظ سے یوں سمجھنا چاہئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ جماعت دارالعلوم کے جد امجد ہیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ جد قریب، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اخ ابجد اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بمنزلہ پدر بزرگوار ہیں۔

۴۔ دارالعلوم کا مسلک

علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت مسلکاً اہل السنت و الجماعت ہے جس کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماع و قیاس پر قائم ہے اس کے نزدیک تمام وسائل میں اولین درجہ نقل و روایت اور آثار سلف کو حاصل ہے جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے یہاں کتاب و سنت کی مرادات اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اساتذہ اور شیوخ کی صحبت و ملازمت اور تعلیم و تربیت ہی سے متعین ہو سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ عقل و درایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب و سنت کا ایک بہت بڑا اہم جزو ہے۔ وہ روایات کے مجموعہ سے حنفی فقہ کی روشنی میں شارع

علیہ السلام کی غرض و غایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اسی طرح چسپاں کرتا ہے۔ کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں۔ اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے جس کا منشا یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا جبکہ وہ قابل احتجاج ہو۔ اسی بناء پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی و عملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال و قال سے بیزار اور بری ہے۔ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے۔ اس نے اپنے متبعین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت و تواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزین کیا اور اس جماعت کے افراد کو ایک طرف علمی وقار، استغناء (علمی حیثیت سے) اور غناء نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے وہیں فروتنی خاکساری اور ایثار و زہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے نہ رعونت اور کبر و نخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلت نفس اور مسکنت میں گرفتار۔ وہ جہاں علم و اخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے وہیں عجز و نیاز، تواضع و فروتنی اور لاامتیازی کے جوہروں سے مزین ہو کر عوام میں ملے جلے اور "کاحد" من الناس " بھی رہے جہاں مجاہدہ و مراقبہ سے خلوت پسند ہوتے ہیں وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آراء بھی ثابت ہوئے۔ غرض علم و اخلاق، خلوت و جلوت اور مجاہدہ و جہاد کے مخلوط جذبات و دواعی سے ہر دائرہ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی۔ جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے۔ اسی لئے ان کے محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنی محدث سے بیزار ہو جانے یا نسبتہ احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی حذاقت کے معنی تصوف بیزاری کے

نہیں، بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر، مفتی، متکلم، صوفی (محسن) او و مربی ثابت ہوا جس میں زہد و قناعت کے ساتھ عدم تکشف، حیاء و انکسار کے ساتھ عدم مداہنت، رافت و رحمت کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمات اور خلوت اور انجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہو گئے۔ ادھر علم و فن میں اور تمام ارباب و علوم و فنون کے بارے میں اعتدال پسندی اور حقوق شناسی نیز ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہو گئے۔ بنابریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل و کمال اور راسخین فی العلم خواہ محدثین ہوں یا فقہا، صوفیا ہوں یا عرفاء متکلمین ہوں یا اصولین، امراء اسلام ہوں یا خلفا اس کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں۔ اس لئے جذباتی رنگ سے کسی طبقہ کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یا مدح و ذم میں حدود شرعیہ سے بے پرواہ ہو جانا اس کا مسلک نہیں۔ اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے (شمال میں) سائیریا سے لے کر (جنوب) میں سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلا دی جس سے پاکیزہ اور اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔ دوسری طرف سیاسی خدمات سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کی حتی کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ بالخصوص تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی محمد امداد اللہ قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے ان دو مریدان خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے منتسبین اور متوسلین کی مساعی انقلاب جہادی اقدامات اور حریت و استقلال ملی کا فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید و بند وغیرہ و تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جا سکتی ہیں نہ بھلائی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ ان حالات پر محض اس لئے پردہ

ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کئے گئے تو اس سے خود ہی ان ہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہو گا۔ اس بارہ میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریری خواہ وہ کسی دیو بندی النسبت کی ہوں یا غیر دیو بندی کی جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہو لا ۔عباء بہ اور قطعاً" ناقابل التفات ہیں۔ اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہ صرف یہ کی جا سکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجہ میں محض ذاتی حد تک حزم و احتیاط کا مظاہرہ ہیں۔ ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وہ قابل التفات ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا اور انہیں متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلاف رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی خدمات کے سلسلہ میں آگے آتے رہے۔ خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا استخلاص وطن اور بروقت انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔ مختصر یہ کہ علم و اخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرہ امتیاز رہا اور وسعت نظری ' روشن ضمیری اور رواداری کے ساتھ دین و ملت اور قوم و وطن کی خدمت اس کی مخصوص شعار ' لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم کو حاصل رہی ہے جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریقے پر بروئے کار آسکتے تھے۔ اور اس پہلو کو اس نے نمایاں رکھا۔ اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم و معرفت جامع عقل و عشق ' جامع عمل و اخلاق جامع مجاہدہ و جامع جہاد جامع دیانت و سیاست جامع روایت و درایت جامع خلوت و جلوت ' جامع عبادات و مدنیت ' جامع حکم و ہمت ' جامع ظاہر و باطن اور جامع حال و قال ہے۔ اس مسلک کو جو سلف و خلف کی نسبتوں سے حاصل شدہ ہے اگر اصطلاحی الفاظ میں لایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیناً مسلم ' فرقۃً اہل سنت والجماعت ' مذہباً حنفی ' مشرباً" صوفی ' کلاماً" اشعری ' سلوکاً" چشتی ' بلکہ جامع سلاسل ' فکراً ولی اللہی ' اصولاً" قاسمی ' فروعاً رشیدی اور نسبتاً دیو بندی ہے۔

اس سلسلہ میں چونکہ "مسلک دارالعلوم کے نام سے ہم نے ایک مستقل

رسالہ لکھ دیا ہے اس لئے اس موقع پر اس کی زیادہ تفصیل کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اس کے بعض جملے اس تحریر میں لئے گئے ہیں۔ تفصیلات کے لئے اس رسالہ کی مراجعت کی جاسکتی ہے۔

دارالعلوم دیو بند کا مجموعی مذاق اور اس کی تربیت کا رخ

۱۹۵۷ء کے بعد کے دور میں جب کہ مسلمانوں کی شوکت ہندوستان سے پامال ہو چکی تھی اور حالات میں یکسر انقلاب اور تبدیلی آچکی تھی، دارالعلوم نے ان بدلتے ہوئے حالات میں جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہ کہ مسلمانوں میں بلحاظ دین و مذہب اور بلحاظ معاشرت تبدیلی نہیں ہونے دی کہ وہ حالات کی رو میں بہہ جائیں۔ پختگی اور عزیمت کے ساتھ انہیں اسلامی سادگی اور دینی ثقافت کے زاہدانہ و متوکلانہ اخلاق پر قائم رکھا۔ مگر اس حکمت کے ساتھ کہ عوام کی حد تک اندرون حدود و جائز توسعات سے گریز نہیں کیا جو بدلتے ہوئے تمدن و معاشرت میں طبعی طور پر ناگزیر تھا مگر خاص اس کی حد تک دائرہ وسیع نہیں ہونے دیا جس سے عام مسلمانوں میں اسلامی مدنیت کا سادہ نقشہ قائم رہا اور جدید تمدن و معاشرت میں اغیار میں نقالی کا غلبہ نہیں ہو سکا اور اسلامی غیرت و حمیت باقی رہ گئی، مرعوبیت اور احساس کمتری قلوب میں جمنے نہیں پایا ضمیر کی حریت و آزادی کا پورا پورا تحفظ کیا اور اتباع اغیار کے بجائے سنت نبوی کو معیار زندگی بنانے کے جذبات قلوب میں ابھارے جس سے عام تمدن و معاشرت میں پرہیز گاری اور تقوی و طہارت کے دواعی اجاگر رہے۔

بلحاظ حقیقت یہ سب کچھ اس کا ثمرہ تھا کہ دارالعلوم اور اس کے پروردوں کے مسلک اور زندگی کے معاملات کی اساس و بنیاد فلسفہ اور عقل محض پر نہیں تھی بلکہ انبیاء علیہم السلام کے ڈالے ہوئے راستہ پر یعنی محبت و عشق پر تھی جو ایمان کا بنیادی جوہر اور غالب عنصر ہے فلسفی اختراعات اور آزادی فکر کی راہ لے جاتا ہے اور عشق و محبت اتباع او ادب کی راہ چلاتا ہے۔ فلسفہ کی بنیاد چونکہ عقلی اختراعات پر ہے اس لئے اگلا فلسفی پچھلے کی تحمیق اور تغلیط کو اپنا واجبی حق سمجھتا ہے اور

ت کی بنیاد چونکہ وحی اور عشق و محبت خداوندی پر ہے اس لئے ہر اگلا پیغمبر کی
دیق و محبت کو جزو ایمان بتاتا ہے۔ اندرونی جذبات کا یہی فرق فلاسفہ اور انبیاء
ہ متبعین میں بھی ہے۔ پس دارالعلوم کے طرز تربیت اور تعلیم و تمدن کا اہم جزو
نکہ وحی الٰہی کے ساتھ ہمہ وقتی شغل و اشتغال اور قال اللہ و قال الرسول ہی کا
م تر مشغلہ تھا۔ اس لئے طبعی طور پر اس کے حلقوں میں ادب و اتباع اور عشق و
ت کی بنیادیں استوار ہوئیں اور ان کا اثر اوپر کی تعمیر یعنی دیانت ، معاشرت اور
ت و عبادت میں آنا ناگزیر تھا۔ اس لئے اس نے بدلتے ہوئے حالات پر پچھلوں
ے نقش قدم کو برقرار رکھا اور زمانہ کی رو میں عوام کو "کیتہ" بننے نہیں دیا اور
ں کی عزیمت کی عظمت دوستوں اور مخالفوں سب نے تسلیم کی۔

لیکن جن بزرگوں نے اس دور میں اپنے حسن نیت اور اخلاق سے
روستانی مسلمانوں کی عزت نفس اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ان کی مادی
بلندی کے لئے مساعی انجام دیں ان سے کبھی آویزش نہیں کی البتہ ان کے کسی
رام سے اگر دین یا دینی ذوق اور دین کے کسی عقیدہ و عمل کو متاثر ہوتے دیکھا تو
ں کا کھل کر مقابلہ کیا اور اس طرح امکانی حد تک دین میں آزاد فکری ، آزاد
شی اور بے قیدی کی مداخلت کے راستے روکے۔

الہامی مدرسہ

دارالعلوم دیو بند کا اجراء عام موجودہ طریقے پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے
ہ کر مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیو بند
ئم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ بالہام غیب قائم کیا گیا ہے۔ وقت کے اہل اللہ اور
باب قلوب افراد کے قلوب پر یکدم وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جب کہ
نگریزی اقتدار مسلط ہو چکا ہے اور اس کے تحت ان کا تمدن اور ان کے افکار و
ریات تبعاً اس ملک پر مسلط ہونے والے ہیں جو یقیناً" اسلام کے منافی اور
رانیت کے فروغ کا باعث ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن کے زیر
ز اسلامی معاشرت بلکہ نفس دین و مذہب ہی سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے (

جو کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی فراست ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا) ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں بیٹھ کر ظاہر کیا۔ کسی نے کہا کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ان حالات میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو کم سے کم مسلمانوں کے دین کو محفوظ رکھ سکے۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر بھی یہی وارد ہوا ہے، کسی نے کہا کہ مجھے خواب میں یہی حقیقت دکھلائی گئی ہے۔ غرض قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے۔ گو ان کی اسلامی شوکت پامال ہو چکی ہے۔ لیکن اگر دین اور دینی جذبات محفوظ ہو جائیں گے تو ایسا وقت آنا بھی ممکن ہے کہ وہ ان دینی جذبات ودعاوی سے رہتی دنیا کو بھی سنوار سکیں' یہ تھے ' وہ الہامات غیب جن کے تحت ۱۰ محرم ۱۲۷۳ھ بمطابق ۲۰ مئی ۱۸۶۶ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا۔ اس لئے یہ مدرسہ کسی رسمی مشورہ مفاہمت سے قائم نہیں ہوا بلکہ باشارات غیب وقوع پذیر ہوا۔ حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ان روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراء مدرسہ پر مستعد ہوئے اور ملا محمود صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ جو میرٹھ میں مدرس تھے۔ میرٹھ ہی میں بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہاں دس روپے ماہوار تنخواہ مل رہی ہے۔ آپ اپنے وطن دیو بند تشریف لے چلیں وہاں مدرسہ قائم ہو رہا ہے اور وہیں درس و تدریس شروع فرما دیں۔ آپ کی تنخواہ بھی پندرہ روپے ماہوار ہو گی۔ ملا صاحب جب ہی تشریف لے آئے اور مسجد چھتہ میں جو دارالعلوم سے متصل اور اب دارالعلوم ہی کے زیر انتظام ہے۔ ملا محمود صاحب نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کو سامنے بٹھلا کر مدرسہ دیو بند کا آغاز کر دیا۔ بعد میں اجراء مدرسہ کا اعلان ہوا اور بتدریج ایک سے دو اور دو سے دس پانچ تک طلباء کی تعداد بڑھنی شروع ہو گئی۔ پھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کو بلکہ اس جیسے تمام مدارس کے لئے آٹھ اصول وضع فرمائے اور ان پر عنوان یہ رکھا کہ "وہ اصول جن پر چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں۔" مولانا محمد علی جوہر مرحوم جب تحریک خلافت کے موقع پر دیو بند

تشریف لائے ' دارالعلوم پہنچے اور یہ اصول ہشگانہ حضرت ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ان کے سامنے پیش کئے گئے (جو بجنسہ خزانہ دارالعلوم میں حضرت ہی کی قلمی تحریر کے ساتھ محفوظ ہیں) تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا " ان اصول کا عقل سے کیا تعلق؟ یہ تو خزانہ غیب اور مخزن معرفت سے نکلے ہوئے ہیں ' حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہنچے ہیں ' یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہنچ چکے تھے " اس شہادت اور ہم خدام دارالعلوم کے یقین کی گواہی سے صاف ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کے اصول بھی الہامی ہیں۔ کسی رسمی مشورہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں ' اجراء مدرسہ کے بعد یہ مدرسہ مختلف مسجدوں اور پھر کرایہ کے مکانات میں چلتا رہا۔ سات آٹھ برس کے بعد جب طلباء کی کثرت ہوئی اور رجوع عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہئے تو یہ جگہ اور اس کے حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارت کھڑی ہوئی ہے ' تحریک و ترغیب کے بعد مدرسے کے لئے دینے شروع کئے۔ بعض نے بقیمت اور بعض نے حسبتہً للہ ' جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے ہاتھ آگیا۔ یہ جگہ "سوما" شہر کا میلا پونے اور کور پون کی جگہ تھی ۔ دارالعلوم کے قیام سے تقریباً" ایک صدی یا کم و بیش ' پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقاء مجاہدین کے ساتھ گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے جس کا ظہور سو سال بعد ہوا۔ اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۰۸ء کے بعد علوم نبوت کی اشاعت و ترویج شروع ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی جگہ انتخاب بھی الہامی ہے جو باشارات غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعہ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیو بندی قدس سرہ مہتمم ثانی دارالعلوم دیو بند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے ' صاحب کشف و واردات اور صاحب کرامات بزرگ تھے ' کے زمانہ اہتمام میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آگیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے۔ کہ مولانا علیہ الرحمتہ نے خواب

دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے
حضور نے مولانا سے فرمایا۔ شمال کی جانب سے جو بنیاد کھودی گئی ہے، اس سے صحن
مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ کے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال
کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہئے تاکہ مدرسے کا صحن وسیع رہے
جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے۔ علیہ الرحمتہ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح
بنیادوں کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضور ﷺ کا نشان لگایا ہوا اسی طرح
بدستور موجود تھا تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا، نہ کسی سے مشورہ کیا، اسی
نشان پر بنیاد کھدوا دی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہو گئی۔

اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشارات
غیب کے تحت ہیں۔ اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ و اکابر جمع ہی
نہیں تھے بلکہ ان کے قلوب میں ایک عجیب بشاشت و کیفیت کا نور موجزن تھا۔ سنگ
بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا، نہیں فلاں صاحب سے ابتداء
کرائی جائے۔ وہ ہم سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں۔ گویا بے نفسی کا یہ حال
تھا کہ اپنے کو کم تر سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا۔ بالآخر اینٹ حضرت
مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب محدث سہارنپوری سے رکھوائی گئی اور اس کے ساتھ ہی
حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا
اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا۔ تو انہوں
نے حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی جس سے واضح ہے کہ سنگ بنیاد
رکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباع سنت اور روحانیات میں مستغرق تھے اور
بے نفسی میں ید طولی رکھتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک دن
حضرت ممدوح دارالعلوم کے صحن (پیش نو درہ) میں کھڑے ہوئے تھے۔ چند طلباء
بھی حاضر تھے کہ دورہ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لے کر آپ کے سامنے
آیا۔ جبکہ اس وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلباء کا کھانا پکتا تھا اور اس نے
نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شوربے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دے کر مارا اور

کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام و انتظام ' کہ اس شوربے میں نہ مصالحہ ہے نہ گھی ہے ' پانی جیسا شوربہ ہے اور کچھ اور بھی سخت سست الفاظ کہے ' اس گستاخی پر طلباء جوش میں آگئے مگر چونکہ حضرت مولانا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ نہیں فرما رہے تھے اس لئے طلباء بھی خاموش کھڑے رہے۔ بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی جب وہ طالب علم بک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلباء سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم ہے ؟ طلباء نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے کا طالب علم ہے۔ فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے۔ طلباء نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کے نام کا باقاعدہ اندراج ہے۔ اور یہ برابر مدرسہ سے کھانا لے رہا ہے۔ فرمایا کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔ چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔ اس کا ہمنام ایک دوسرا طالب علم ہے ' اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا۔ ورنہ اس کا اندراج سرے سے ہی رجسٹروں میں نہیں ہے۔ بات کھل جانے پر طلباء نے عرض کیا کہ حضرت ! بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے۔ لیکن آپ نے اس وقت سے کس بناء پر اس کے طالب علم ہونے کی نفی فرمائی۔؟......

فرمایا' ابتداء میں اہتمام سے کارہ اور بے زار تھا لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ روک دیتے تھے۔ مجبوراً" پھر کام میں لگ جاتا تھا اور رد و انکار اور جبر و اصرار کے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطہ مولسری دارالعلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا اور اس کی منڈیر پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ لینے والے آرہے ہیں اور دودھ لے جا رہے ہیں۔ کوئی گھڑا لے کر آرہا ہے ' کوئی لوٹا ' کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے۔ اور اس طرح ہزاروں آدمی دودھ لے کر جا رہے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے۔؟ تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثالی

دار العلوم کی ہے اور دودھ صورت مثال علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ علم نبی کریم ﷺ ہیں' اور یہ آ آ کر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں جو حسب ظرف علم لے لے کر جا رہے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیو بند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلبہ آتے ہیں تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی' لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سرے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی' یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں' اس لئے میں نے قوت سے کہہ دیا کہ یہ مدرسہ دیو بند کا طالب علم نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کے لئے طلباء کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوا ہے۔ چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے نہ پروپیگنڈہ اور نہ ہی ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلبہ آکر داخل ہوں۔ بلکہ من اللہ جس کے قلب میں داخلے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دار العلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیو بند کا اہتمام میں نہیں کرتا بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ جو جو ان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور میں وہی کام کر گزرتا ہوں۔ چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے' میرے دل میں آ رہا تھا کہ ایسا ہونا چاہئے جسے آپ نے عملاً" انجام دے دیا۔ اس سے واضح ہے کہ اس مدرسے کے امور مہمہ بھی اشارات غیب اور الہامات ہی سے انجام پاتے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جہاں قوی النسبت اکابرین میں سے تھے وہیں امی محض تھے' نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا' امور متعلقہ مولانا کے ارشاد احکام اہتمام قلمبند ہوتے تو مولانا اس پر اپنی مہر لگا دیتے تھے۔ گویا احکام اہتمام بھی کچھ ماورائے اسباب قلمبند ہوتے تھے۔ جس میں رسمی نوشت و خواندگی ہوتی تھی۔ حضرت کا امی ہونا خود اس کی کی بھی دلیل ہے کہ ان کے قلبی مضرات کسی رسمی علم کے تابع نہ تھے۔ بلکہ قلبی واردات ہوتے تھے جنہیں ارشادات غیب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی اولین صدر مدرس دارالعلوم دیو بند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا۔ فرمایا کہ میں دارالعلوم کی وسطی درس گاہ نودرہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں' جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں اور اس لئے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے سے بھی حل نہیں ہوتا اس درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں بلکہ من اللہ قلوب طلباء و اساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں علمی شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ مکاشفہ ہے کہ درس گاہ نودرہ کے سامنے کے صحن میں درسگاہ کے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے۔ اس لئے اس احقر نے اس جگہ کی تشخیص کے بعد اس پر سیمنٹ کا ایک چوکھٹا (نشان) بنوایا ہے اور اس پر جنازہ رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ ان کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں' بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ خواہ وہ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں' ھم قوم لا یشقی جلیسھم پھر اس مدرسہ کے اساتذہ اور عہدے داروں میں بھی تکوینی طور پر ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے جو صاحب نسبت اور صاحب دل ہی ہوتے رہے ہیں۔

بہرحال اس مدرسے کے ابتدائی تصور اس کی جگہ کا انتخاب' اس کا اجراء' اس کا سنگ بنیاد' اس کے ذمہ داروں کا انتخاب اس کے طلباء کی تشخیص' طریق کار اور طریق اجراء احکام سب ہی کچھ اس عالم اسباب سے زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے میں نے اس مدرسے کا لقب عنوان میں "الہامی مدرسہ" رکھا ہے۔

اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس کے فضلاء و علماء جو سو برس میں دس ہزار سے کم تیار نہیں ہوئے جنھوں نے اس ماحول میں تربیت پا کر علوم و اعمال کا اکتساب کیا۔ ان کا علم عام حالات میں محض رسمی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ناگزیر طریق پر اس میں معرفت اور گہرائی شامل رہی ہے۔

اور جو بھی علوم کا فاضل ہو حقیقتاً" فاضل اور یہاں کے ذوق پر تربیت یافتہ ہے، وہ جہاں بھی ہے، خواہ شہر میں ہو یا قصبہ اور دیہات عوام کے ایمانوں کی حفاظت کئے ہوئے ہے۔

ہزاروں فضلاء وہ ہیں جن کا نام کسی کو معلوم ہے، نہ اشتہار اور تشہیر کا سلسلہ ہے۔ مگر ایمان کا تحفظ خاموش طریقے پر ہو رہا ہے اور کوئی بھی دینی فتنہ ایسا نہیں جس کی روک تھام میں وہ حسب استطاعت و قابلیت مصروف نہ ہوں۔ دارالعلوم کے فضلاء کا سلسلہ اور مرکز سے ان کی وابستگی کی کسی رسمی تنظیم یا ممبر سازی کے ساتھ نہیں ہے۔ مگر روحانی رشتہ ان ساری تنظیموں سے بالاتر اور مضبوط و مستحکم ہے اور الحمدللہ کامیاب اور بامراد ہیں۔ تدریس، تصنیف، تربیت، باطن تعلیم، مسائل افتاء، املاء کے تمام علمی سلسلے ان سے خاموش طریقے پر انجام پا رہے ہیں اور عالم غیب کے دفاتر میں منضبط ہیں۔ جیسا کہ عالم غیب کے ہی اشاروں سے ان کی اور ان کے مرکز کی ابتداء ہوئی ہے۔

عادتاً" کوئی بھی درسگاہ یا تربیت گاہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ اس کے پروردہ سب ایک درجے کے ہوں، جب کہ قرآن حکیم نے عمومی طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (جنہیں علم سے سرفراز کیا گیا ہے، ان کے درجات اور مراتب متفاوت) ہیں۔ اس لئے اس سلسلے کے علماء بھی مختلف المراتب ہیں اور ان کی طبعی خصوصیات اور ذوقی الوان بھی الگ الگ ہیں۔ لیکن قدر مشترک سب کا ایک اور نصب العین واحد ہے۔ اس سو سال میں ان کی خدمات حق تعالیٰ کے یہاں منضبط ہیں اس لئے بعض سادہ لوح اور برخود غلط لوگوں کی زبان پر آجاتا ہے کہ اس طبقے کی کچھ خدمات نہیں، خدمت اگر کی ہے تو مثلاً" ہم نے یا فلاں طبقے نے، لیکن ان کی خدمات کا انکار نہ کرتے ہوئے یہ ضرور عرض کیا جائے گا کہ فضلاء

دارالعلوم کی خدمات میں شو اور نمائش نہیں ہے اور یہی انہیں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس لئے اگر شو اور نمائش یا تشہیری کسی خدمات کا معیار ہے تو یہ مقولے صحیح یاد کئے جا سکتے ہیں کہ ان کی کچھ خدمات نہیں، لیکن اگر کسی خدمت کی واقعیت کا معیار خدمت ہے جس میں تشہیر اور سراہنے کا دخل نہ ہو تو قلوب پہچانتے ہیں کہ اس سو سالہ جماعت کی کیا خدمات ہیں۔ اب اگر کوئی ان کی خدمات کا اعتراف نہ کرے تو انہوں نے یہ خدمات کسی کے امید اعتراف پر کی کب ہیں کہ وہ اس سے دلگیر ہوں۔ جب کہ ان کا نصب العین ہی یہ رہا ہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنی آخرت کے تصور اور صلہ خداوندی کو سامنے رکھ کر اس سے قطعاً" بے پرواہ ہیں اور انہیں بے پرواہ ہی رہنا چاہئے کہ کوئی ان کی خدمت کو نہیں مانتا تو نہ منے۔ اس سے ان کی خدمات پر کوئی داغ دھبہ آسکتا ہے۔؟ نہ خدمت گزاروں کے دل میں کوئی ادنی میل

زبادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ

گدائے خاک دردست بادشہ من است

اس قریبی فرصت میں یہی چند سطریں اچانک ذہن میں آئیں جو "الرشید" کے لئے بطور انگشت دم آلود و شہیدوں میں شامل ہونے کے لئے سپرد قلم کر دی گئیں۔ خدا کرے کہ قابل قبول ہوں۔

یاد ایام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی مہتمم دارالعلوم دیو بند

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیو بند کی یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی جو "ماہنامہ دارالعلوم" دیو بند کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئی تہذیب و تعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جدامجد حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیو بند کے گھرانہ میں ہوئی ہے جو اپنے وقت میں علم دین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادگی ' توکل پسندی' کم سے کم اسباب معیشت ' اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ مرحومہ میری دادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان صحبت اور رفاقت سے براہ راست مستفید تھیں۔ دادی صاحبہ اپنی عبادت و ریاضت ' سخاوت ' کشادہ دلی' شعائر دین پر پختگی ' نماز روزہ ' ذکر و شغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں۔

میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی ' مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلبہ دارالعلوم کے لئے جو ملک اور بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے۔ میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر بنانے کی دھن تھی۔ بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی۔

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں

ڈالے۔ والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بعد میں آپ نے جذبہ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متاسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلا کر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبہ دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا جو طلبہ میں معروف تھا۔ یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہو گا کہ میری دادی اماں ایک دفعہ امروہہ ضلع مراد آباد تشریف لے گئیں جہاں میرے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی تشریف فرما تھے۔ وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے حضرت مولانا مرحوم دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والے خود بھی شریک تھے۔ یہ تھا اس دور میں اپنے ساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب احترام۔

تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانہ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔ حفظ قرآن اور تجوید قرات میں مولانا قاری عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' فارسی میں مولانا محمد لیسین صاحب ' فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی اور علوم کتب و سنت میں علامہ دہر یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا رسول خان صاحب ہزاروی مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی' مولانا اعجاز علی صاحب رحمتہ اللہ اجمعین میرے اساتذہ رہے۔ اپنے رفقاء درس میں وقت کے بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں۔ لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گزرا ان میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی حال مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا میرک شاہ کشمیری ' مولانا محمد یوسف ' واعظ کشمیر ' مولانا محمد علی حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ' کا خاص طور سے ذکر ہے۔ مولانا مفتی عتیق الرحمان ' مولانا محمد منظور نعمانی ' مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی ' مولانا بدرعالم صاحب مہاجر مدنی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں۔

اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا۔ اس ذیل میں دو

واقعے قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف کے استاذ اعلیٰ تھے مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے۔ طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ طلبہ کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دارالعلوم میں سبق پڑھانا موقوف کر دیا۔ طلبہ پر استاذ کی خفگی کا بہت اثر ہوا۔ مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی اور طلبہ نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا کے منانے کے لئے ان کے سامنے سفارش کے لئے مجھے پیش کیا جائے۔ درحال یہ کہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا۔ چنانچہ میں نے مولانا کی خدمت میں جا کر عرض و معروض اور طلبہ کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا۔ تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرما لی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت دیکھ کر اکثر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کے لئے اساتذہ کی طرف سے مجھ کو ہی منتخب کیا جاتا تھا۔

تحریر و تقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی اسے بڑھنے اور ترقی دینے' نیز اس لائن پر سفر کرانے میں یہ اکابر پیش پیش رہتے تھے۔ میری اسی طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریریں کرائیں۔ یہ واقعہ اب سے ساٹھ سال پہلے کا ہے لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کے لئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ پیر میں جوتا اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آگیا۔ حضرت علامہ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں۔ ہرگز خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں' بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے۔ یہ حضرت الاستاذ مرحوم کی حوصلہ افزائی تھی' ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل و یاقوت ! یہ اکابر تو مربی

تھے ہی حوادث زمانہ بھی ایک مستقل مربی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ماضی کے گم شدہ اوراق الٹتا پلٹتا ہوں تو اس دور کے سینکڑوں واقعات نے بھی میرے لئے عبرت و موعظت اور تربیت کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں میں جنگ عظیم کے خاتمہ پر سیدنا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز ان کے ہزاروں معتقدین میں یہ عام شہرت تھی کہ حضرت مولانا ہجرت کے ارادہ سے ہندوستان چھوڑ رہے ہیں۔ ملک میں عام سراسیمگی پھر حجاز میں حضرت کی گرفتاری ساڑھے چار سال مالٹا میں نظر بندی ان کی عدم موجودگی میں سارے ہندوستان میں حکومت کے خلاف غیر معمولی غم و غصہ کے جذبات اور ان کی طویل نظر بندی پر دارالعلوم اور اس کے اکابر و اصاغر نیز ملک کے سبھی حلقوں کا احتجاج ۱۹۲۰ء میں حضرت کی مالٹا سے رہائی بمبئی میں تشریف آوری ' ساحل بمبئی پر لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا استقبال ' استقبال میں گاندھی جی ' مولانا شوکت علی کی قیادت اور ساحل پر سب سے پہلے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے میرے والد محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات ' بمبئی ' دہلی اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے استقبالیہ اور اجتماعات میں حضرت کی شرکت اور تقریریں یہ سب ایک لمبی چوڑی داستان ہے۔ جو حالات زمانہ کو سمجھنے اور طرز زندگی سیکھنے میں معاون و مددگار ہوئے اور بنتے رہے۔ اور ماضی کے تجربات مستقبل کے لئے قدم قدم پر مشعل راہ ثابت ہوتے گئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ ' ڈاکٹر انصاری صاحب حکیم اجمل پنڈت جواہر لال نہرو ' ڈاکٹر راجندر پرشاد ' نیز بیرون ملک کے مشاہیر علم و ادب اور ناموران سیاست سے بار بار ملاقاتیں خاموش مربی کا کام دیتی رہیں اور ساتھ ہی توفیق خداوندی سے دارالعلوم کے علمی اور دینی نقطہ نظر کو ان کے سامنے واضح کرنے کا موقع بھی ملتا رہا ۱۹۴۹ء کو مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملک کی تعلیمی مسائل پر لکھنؤ میں ایک بہت بڑی کانفرنس طلب کی اس میں احقر کو بھی طویل تقریر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا نے میری گذارشات کی جو تحسین فرمائی اور اپنی تقریر میں جس طرح میری تقریر کے الفاظ کی تائید کی اس سے مجھ کو اندازہ ہوا کہ مولانا آزاد کو اپنے چھوٹوں تک کی بھی رائے کو ماننے میں کوئی تامل نہ ہوتا۔ میری

زندگی کی ساخت و پرداخت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عمر کا ایک بہت بڑا حصہ حضرت مرحوم کے ہاں آتے جاتے گزرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی فقیہ سنجی ' بیداری مغزی ' حکیمانہ تنقیحات ' معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم ان کا وسیع عمیق علم ان کی سینکڑوں تصانیف ان کی محبت و بابرکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا۔ آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت و طریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت کے یہاں تھا۔ آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی۔ اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے آپ نے از سر نو تحقیقات فرمائی۔ اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے' پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا۔ میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور اس ذیل میں دین کے نادار طلباء سے محبت و شفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ میرے آباء اجداد نے طلبہ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اور یہاں تک کہ بعضوں کے شادی بیاہ کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں۔ کتنے ہی مشہور علماء فضلاء ہیں جن کی مجلس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں۔ حضرت قبلہ مولانا سید انور شاہ صاحب کی شادی بھی میرے والد صاحب کے اہتمام سے ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ مدنی مہتمم مدرسہ سے شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیو بند کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے۔ ان کی تقریب شادی بھی میرے والد نے کی۔ اس تقریب کے شروع میں کہا تھا کہ 'میرا گھرانہ علماء فضلاء عصر کا مورد تھا۔ دوسرے متعدد علماء فضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت و آرام سے وقت گزارا۔ دارالعلوم دیو بند جیسے مرکزی ادارہ سے پچاس پچپن سال کے تعلق میں مجھے ہزاروں نام آور حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا مگر وہ

موقع مجھے نہیں بھولتا۔ جب عالم اسلام کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری مدیر المینار قاہرہ دیو بند تشریف لائے تو ان کے استقبالیہ اجتماع میں استاد محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے فن حدیث اور اس کے مدارج حجیت، نیز دوسرے علوم دینیہ کی روشنی میں دارالعلوم کے مسلک کی وضاحت فرمائی تھی۔ تقریر کے دوران علامہ موصوف کچھ تنقیحی سوالات بھی کرتے جاتے تھے۔ تقریر عربی میں تھی، حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پرجستگی سے جوابات بھی ارشاد فرماتے جاتے تھے جس سے شاہ صاحب کی عظمت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ بالآخر انہوں نے رخصت ہوتے ہوئے یہ جملہ فرمایا "اگر میں ہندوستان آکر دیو بند نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین جاتا۔ بطور خاص حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق علامہ رشید رضا مصری نے فرمایا خدا کی قسم میں نے ان جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔"

میری بیاسی سالہ زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں براعظموں کے طویل سفروں میں گزرا ہے۔ برما، افغانستان، حجاز، عدن، جرمنی، جنوبی افریقہ، کینیا، انڈونیشیا، مڈغاسکر، زنجبار، سری لنکا، ایسٹ افریقہ، حبشہ، رے یونین، کویت لبنان، اردن، انگلستان، فرانس اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور وہاں مذہبی اور علمی سوسائٹیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ میں جہاں تک حق تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہزاروں ہزار شکریہ ادا کرتا ہوں اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کہ ان لاکھوں بندوں تک مجھے اسلام، ایمان، انسانیت، اور دیو بند کے مسلک کے تحت اخوت درد داری کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہوئی وہیں اس اعتراف پر بھی مجبور ہوں کہ اپنے اساتذہ اور مربیوں کی نظر شاذو نادر ہی کہیں دیکھنے میں آئی جن سے میری علمی اور اخلاقی تربیت کا تعلق رہا ہے۔ میری ماضی کی داستان اتنی لمبی ہے کہ اسے بیان کرنے کے لئے وقت کا طویل و عریض حصہ ناکافی ہے۔ اس لئے

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر

کے تحت جستہ جستہ منتشر واقعات کے اس اختصار کو اس مجلس یاران دارالعلوم کے لئے کافی سمجھتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔

اکابر دیوبند کی یاد میں

مولانا اشرف علی تھانوی

بھول کر بھی نہ آئیں گے یہ لوگ   جا کے واپس نہ آئیں گے یہ لوگ

سرمدی ہو گیا ہے ان کا سفر   اب کہاں پائے جائیں گے یہ لوگ

اپنے حق میں وسیع و بے پایاں   رحمت حق کو پائیں گے یہ لوگ

اب تو فردوس خلد میں جا کر   اپنی محفل سجائیں گے یہ لوگ

بے حجابانہ ہو گا نظارہ   جلوہ حق کو پائیں گے یہ لوگ

کون ملک عدم سے داعی ہے   کس کی مجلس میں جائیں گے یہ لوگ

بستیاں کرکے چل دیے ویراں   اپنی دنیا بسائیں گے یہ لوگ

ایک ہی راہ کے سالک تھے   ایک منزل پہ جائیں گے یہ لوگ

جارہے ہیں جو آج کرکے حجاب   چھپ کے پھر دل میں آئیں گے یہ لوگ

کون پھر اس نظر میں جچتا ہے   جس نظر میں سمائیں گے یہ لوگ

ہم انہیں آج تک نہیں بھولے   کیا ہمیں بھول جائیں گے یہ لوگ

دل کی گہرائیوں میں بستے ہیں   کیوں نہ پھر یاد آئیں گے یہ لوگ

جتنی مدت گزرتی جائے گی   اور بھی یاد آئیں گے یہ لوگ

ہم بھلا بھول جائیں کیسے انہیں   جب نہ ہم کو بھلائیں گے یہ لوگ

محفل لا مکاں میں اے عارف   ہم کو کس دن بلائیں گے یہ لوگ

حجتہ الاسلام

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے اپنے یہاں علماء اور مصلحین امت کے تعارف کے لئے ایک سلسلہ تقریر شروع کیا تھا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کی تھی جو حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق براڈ کاسٹ ہوئی۔ ہم اس سلسلہ کی پہلی تقریر بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم شائع کر رہے ہیں۔

میری اس تقریر کا موضوع ہندوستان کی اسلامی تاریخ کی ایک زندہ جاوید شخصیت حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیو بند ہے۔ حضرت ممدوح کی ولادت ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں اور وفات ۱۲۹۷ھ (۱۸۷۹ء) میں ہوئی۔ اس ۴۹ سال کی قلیل مدت میں آپ نے اسلامی اور قومی خدمت کے سلسلہ میں جو عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ صدیوں کی وسعت کے تھے جنہیں ہندوستان ہی نہیں پوری اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۱۸۵۷ میں آپ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکیوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی۔ لیکن جنگ میں شکست ہو گئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساس کمتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔ اس لئے اسی میں مسیحی مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے بندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور اتہامات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں

کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی
تہذیب و تعلیم سے الحاد و دہریت کی زد میں بہنے لگے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر
یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ نسلیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں
خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کلچر سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نور معرفت سے وقت کی رفتار اور
اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور بارشادات غیب ہندوستان کے تمام
باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطہ نظر پر ڈال دینے اور قوم میں
ایک ذہنی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ یہ احساس کمتری دور ہو۔
اس کے لئے آپ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رنگ
سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم
صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایمانی فراست سے چھپے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے
حریت فکر کے بقاء و ارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں
دارالعلوم دیوبند قائم فرما کر بآسانی حاصل کر لیا۔ اس الہامی نقطہ فکر کے تحت
دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے
جذبات کو زندہ رکھنے کا ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔ دارالعلوم دیو بند
کے قیام کے بعد مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر
مدارس قائم فرمانے شروع کئے اور بنفس نفیس خود جاکر، مراد آباد، گلاؤٹھی، امروہہ
، مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور جابجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط
کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں
حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہو گئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے حریت
فکر کے امین فضلاء نے پورے ملک میں حتی کہ انہیں فضلاء نے ایشیاء افریقہ اور
یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کیں اور میرا اپنا
مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان
میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیو بند ہے جس کے لئے
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کار

ضرت مولانا رشید احمد صاحب حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب حضرت مولانا فضل
رحمان صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمہم اللہ وغیرہ کا مخلصانہ تعاون
صل رہا۔ یہ ہی دارالعلوم دیو بند آج ایشیا کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور
امتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص مکتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت و
ست کا حامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیو بند کو ایسے اصولوں پر قائم
مایا جن کے تحت روز اول سے یہ درسگاہ ایک عوامی ادارہ کی پوزیشن میں نمایاں
ئی۔ چنانچہ حضرت والا نے اس سلسلہ میں آٹھ اصول اپنے دست مبارک سے
ے جو دارالعلوم کے تاریخی ریکارڈ میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اور آج تک ہر دور
بانی دارالعلوم کے ان الہامی اور اساسی رہنما اصولوں کی پوری حفاظت و رعایت
جاتی رہی ہے۔ یہ اصول درحقیقت دارالعلوم دیو بند کی معنوی بنیاد ہیں جن پر
کی ظاہری اور باطنی تعمیر کھڑی ہوئی۔ اور نہ صرف دارالعلوم کی بلکہ ان تمام
ارس ہند کی بھی اساس ہیں جو دارالعلوم دیو بند کے رنگ پر حضرت مولانا محمد
م صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین نے قائم فرمائے۔ چنانچہ ان اصول ہشتگانہ پر
رت اقدس نے سرخی بھی یہی قائم فرمائی کہ "وہ اصول جن پر مدارس ہند مبنی
وم ہوتے ہیں۔"

یہی ہمہ گیر اصول قیام مدارس کی اجتماعی تحریک کی بنیاد بنے۔ جس سے
۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو نئی زندگی اور نشاۃ ثانیہ ملی۔ ان اصول
مطابق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیو بند کو صرف عوامی
وں پر قائم فرمایا تاکہ اس میں ابتداء ہی سے ہمہ گیری کا عنصر نمایاں رہے۔ اور
ارالعلوم ہندوستان کے غریب عوام کا ادارہ ثابت ہو۔ ساتھ ہی اصول میں یہ
ت بھی ہے کہ اس مدرسہ کے لئے جائیدادوں اور کارخانہ ہائے تجارت سے کسی
قل آمدنی کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے میں امداد غیبی منقطع ہو جائے
۔ رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اور کارکنوں میں پھوٹ پڑ جائے
جس کو ان کے مخلص رفیق کار حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنی ایک طویل نظم کے بعض اشعار میں بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے کہ

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لئے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیاء ہو جائے گا

ان اصول میں خصوصیت سے اسے اہمیت دی گئی ہے کہ تعلیم مکمل طریق پر آزاد رہے۔ جو اجتماعیت کی روح ہے۔ پھر اسی کے ساتھ اصولاً" معاملات دارالعلوم کو مشورہ کے اصول پر قائم فرما کر اس کو اسی عہد استبداد میں جمہوریت کا نقیب بنا دیا گیا اور خاص طور پر ذمہ دار ادارہ (مہتمم) کے لئے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ علاوہ مقرر اہل شوریٰ کے ایسے واردین ' صادرین سے بھی مشورہ کرے جو مدارس کے خیر خواہ اور ان سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ یہ اصول حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کے ہمہ گیر اور اجتماعی تفکر کے ناقابل انکار شواہد ہیں اور انہیں سے دارالعلوم دیو بند کی نوعیت ' اہمیت بھی واشگاف ہو جاتی ہے۔ انگریزوں کے قومی استبداد کو توڑنے کے لئے جس کا رخ خصوصیت سے مسلمانوں کی طرف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہمہ گیر سیاسی رہنمائی سے اس دور کی خلافت اسلامیہ یعنی خلافت ترکی کی تائید کی طرف مسلمانوں کو خاص طور پر جھکایا۔ سلطان ترکی کی مدح میں قصیدے لکھے اور بحیثیت خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین ہونے کے مسلمانوں کو ان کی طرف مائل کرتے رہے۔ اس دور میں جنگ روم و روس ہوئی تو خود بہ نفس نفیس جگہ جگہ دورے کر کے ترکوں کے لئے ہزاروں روپیہ روانہ فرمایا اور خود اپنے گھر باہر کا تقریباً" بڑا سامان بطور چندہ ترکی خلافت کی مدد کے لئے روانہ فرما دیا۔ تاکہ خلافت سے وابستہ رہ کر ملی اجتماعیت برقرار اور شیرازہ بند رہے۔ اس جذبہ سے ملک کی دوسری قوموں کو بھی ہمدردی تھی۔ اور اسی کا اثر تھا کہ جب مسلمانان ہند نے احیاء خلافت کی تحریک شروع کی تو بلا تفریق مذہب و ملت ملک کی تمام مذہبی اکائیاں متفق ' متحد ہو کر اس میں برابر کی شریک رہیں ۔ اس اجتماعیت پسندی کی وجہ سے مولانا مسلمانوں کو سب سے زیادہ حج کی

ترغیب دیتے تھے کہ بذات خود حج ایک اجتماعی اور بین الاقوامی عبادت ہے۔ تاکہ مشرق و مغرب کے مسلمان یکجا جمع ہو کر باہم وابستہ ہوں اور ان کی بین الاقوامی اجتماعیت کا رشتہ مضبوط ہو اور ساتھ ہی ترکی کی خلافت سے بھی انہیں وابستگی رہے۔ یہ تفصیل فکر قاسمی کے ان تین بنیادی عناصر کو واشگاف کر دینے کے لئے کافی ہے کہ ملت کا بقاء و ارتقاء تعلیم کی ہمہ گیری ذوق اجتماعیت سے عموم اور مرکزیت سے باعظمت وابستگی ہی میں مضمر ہے۔

آخر کار یہی روح ان کے تربیت یافتوں میں بھی راسخ ہوئی اور ان کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اس قاسمی فکر کے امین بنے اور ان کے بعد حضرت کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے علمی امین بنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ریشمی خط کی تحریک اٹھائی اور پانچ برس مالٹا میں انگریز کی قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان کے بعد ان کے ہزارہا شاگردوں میں بھی رنگ جوہر نفس ہوتا رہا۔ جن میں خصوصیت سے قابل ذکر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری وغیرہم تھے جنہوں نے بالآخر ہندوستان کو آزاد کرایا اور انجام کار ان بزرگوں کا وہ وحدت عالم اسلام کا خواب اب تعبیر کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے بطور خاص اس تمنا کا اظہار فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یورپ پہنچ کر بتلاؤں کہ حکمت وہ نہیں ہے جسے تم غلط فہمی سے حکمت سمجھ رہے ہو۔ بلکہ حکمت وہ ہے جس سے دنیا و عقبی دونوں کے انکشافات تم پر عیاں ہو سکتے ہیں۔ مباحثہ شاہ جہاں پور کا واقعہ وہ تاریخی موڑ ہے کہ اس میں حضرت نے ہندو مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی انگریزی سیاست کا رخ انگریزوں کی طرف موڑ دیا۔ جس کا اعتراف اس دور کے ہندو زعماء نے یہ کہہ کر کیا کہ یہ مولوی ہے جس نے ہندوستان کی لاج رکھ لی۔ یہ روشن حقائق اس عظیم حقیقت کو طشت از بام کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک عالمی اور تاریخ ساز شخصیت تھی

اور ان کے شیخ و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ کا یہ قول کہ "کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحب جیسی شخصیت پیدا فرمائی ہے۔" ان کی عظمت و اہمیت کے باب میں بلا خوف تردید حروف آخر قرار دیا جا سکتا ہے۔

فتویٰ شامی عربی کامل

مع تکملہ و تقریرات رافعی

فقہ حنفی کی مستند کتاب "رد المحتار" (فتویٰ شامی) کسی تعارف کی محتاج نہیں، ہندوستان میں پہلی مرتبہ اس مکمل کتاب کو شائع کرنیکا (الحمد للہ) یہ فخر مکتبہ فیض القرآن کو حاصل ہے۔

یہ وہ نسخہ ہے جس کا انتخاب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (پاکستان) حضرت مولانا قاضی مجاہد صاحب قاسمی (پٹنہ) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (صدر مفتی مظاہر علوم سہارنپور) حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری (مدرس دارلعلوم دیوبند) جیسے جید عالم و مفتیان کرام کے ذریعے کیا گیا چنانچہ ان حضرات کی تقاریظ شامل کتاب ہیں۔

نسخہ کی خصوصیات:-

(۱) یہ وہ نسخہ ہے جو تقریباً دو صدیوں سے علماء امت کے ہاتھوں میں ہے چنانچہ جملہ فتاویٰ کی کتب میں اس ہی نسخہ کا حوالہ ملتا ہے جسکی وجہ سے مفتیان کرام کو مسئلہ تلاش کرنے اور حوالہ دینے میں بیحد سہولت ہوتی ہے اسلئے یہ نسخہ علماء اور مفتیان کرام کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

(۲) اس نسخہ میں ایک طویل حاشیہ جو کہ تقریباً ۶۵۰ بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل ہے تقریرات رافعی کے نام سے شامل ہے جو اس نسخہ کی افادیت میں بیش بہا اضافہ کرتا ہے۔

(۳) فتاویٰ شامی کے اکثر ایڈیشن مٹیالہ اور کم قیمت کے کمزور کاغذ پر آتے رہے ہیں جسکی وجہ سے الفاظ واضح نہیں ہوتے اور کمزور نگاہ کے لئے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے نیز کاغذ پائدار نہ ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ میں ہی بوسیدہ ہو جاتا ہے اب ہم نے زرکثیر صرف کر کے عمدہ مضبوط سفید چکنے کاغذ پر اس نسخہ کو شائع کر کے نہایت نمایاں کردیا ہے چنانچہ اب بزرگ و ضعیف حضرات بھی بسہولت اس کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(۴) جلدوں کی زیادہ تعداد سے بچنے کے لئے بجائے چھوٹے سائز کے یہ نسخہ اصل قدیم بڑے سائز پر چھاپا گیا ہے جس میں قاری کو مختلف مجلدات کی طرف رجوع کرنا نہیں پڑے گا (گویا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیو بند ہندوستان میں علم حدیث کا سب سے عظیم مرکز شمار ہوتا ہے اور دارالعلوم میں صدارت تدریس کی عظیم مسند پر ہمیشہ ایسے علماء فائز رہے ہیں جو اپنے علم و فضل خصوصاً" علم حدیث کے ساتھ زہد و تقوی اور سلوک و معرفت میں یگانہ روزگار سمجھے جاتے ہیں۔ اور طالبان علم ان سے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی فیضان بھی حاصل کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کے اس عظیم منصب پر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علوم کی تھی۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ استاذ المشائخ ہیں۔ دہلی کے عربی کالج میں پرنسپل تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین دیو بند کے استاذ تھے۔ مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالغنی صاحب کے معاصرین میں سے تھے۔ عربی فارسی اور اردو کے بہترین ادیب و شاعر تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نسب ایک ہی ہے۔ دونوں حضرات آپس میں ہم زلف بھی ہیں اور ہم عمر بھی' دارالعلوم دیو بند میں حضرت مولانا قدس سرہ کے فیض تعلیم و تربیت نے بہت سے ممتاز علماء پیدا کیے جو آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جن میں مولانا عبداللہ انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ' مولانا احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا فخرالحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا حکیم منصور علی خان مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ' حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا حافظ محمد احمد قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حبیب الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رحمہم اللہ جیسے

مشاہیر اور یگانہ عصر علماء شامل ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے فیض تعلیم کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا کہ اس وقت ہند و پاک، بنگلہ دیش، افغانستان، اور وسط ایشیاء میں جس قدر علماء موجود ہیں ان کی بڑی تعداد اسی خوان علم کی زلہ ربا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ علاوہ ہر فن میں ماہر ہونے کے بہت بڑے صاحب نسب اور شیخ کامل بھی تھے۔ انہوں نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے تھے۔ اکثر جذب و کیف کی حالت طاری رہتی تھی۔ دنیوی علائق کی جانب مطلق توجہ نہ تھی۔ اپنے زمانہ میں مجذوب و سالک مشہور تھے۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں اور زیادہ تر علوم عجیبہ و غریبہ انہیں سے حاصل فرمائے ہیں۔ ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ و مربی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کے اکثر اقوال و احوال حقائق و معارف نہایت لطف لے کر بیان فرمایا کرتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حلقہ درس کیا ہوتا تھا۔ حلقہ توجہ ہوتا تھا' یہ حال تھا کہ تفسیر کا سبق ہو رہا ہے' آیات کا مطلب بیان فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ باوجودیکہ مزاج میں جلال اور جذب کا غلبہ تھا اور اس کے رعب و اثر کا یہ عالم تھا کہ لوگ بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے مگر آپ ہر شخص سے نہایت اخلاق و تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اپنے بزرگوں کی طرح مزاج میں بڑا استغناء تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب نے جن کو مولانا کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ عرض کیا کہ فلاں نواب صاحب کی بڑی خواہش ہے کہ ایک مرتبہ آپ ان کے یہاں تشریف لے جائیں۔ مولانا نے فرمایا' ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی' نواب کے یہاں جاتا ہے' نواب اس کو سو روپے دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بلا رہے ہیں اس لئے شاید دو سو روپے دے دیں۔ ارے میاں سو دو سو روپے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جا کر مولویت کے نام پر دھبہ نہ لگائیں گے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامع علوم معقول و منقول فاضل عالم ہونے کے علاوہ سالک و مجذوب بھی تھے نہایت خوش وضع خلق اور خوش گفتار تھے، بڑے صاحب کمال و مکاشفات تھے جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا، مولانا دہلی میں مقیم تھے اور دن میں اکثر غائب رہتے تھے۔ جب کسی نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ نواح دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائے گا وہ جگہ آباد کر دی جائے گی۔ اس لئے میں شہر کے اطراف میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران شدہ مقامات پھر سے آباد ہو جائیں۔"

چنانچہ دیکھا گیا کہ جن جن مقامات پر حضرت مولانا پھرے تھے وہ جگہ نئی دہلی کے نام سے آباد ہوئی۔ ایک مرتبہ چھتہ کی مسجد میں یہ ذکر چھڑا کہ انگریزوں نے ہندوستان میں ایسا زبردست تسلط حاصل کر لیا ہے کہ ان کا اکھڑنا آسان نہیں رہا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں موجود تھے، چونک کر بولے کیا کہا...... رات کو ان کی حکومت ہوگی اور دن کو ان کی ہندوستان بغیر جنگ کے صف کی طرح پلٹ جائے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ۱۴، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کی شب میں ایسا ہی نہیں ہوا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ نے اپنی حیات میں دو حج کئے۔ پہلا حج حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کی معیت میں کیا گیا۔ حضرت مولانا ظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حاجی محمد عابد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔ دوسری مرتبہ بھی علماء کی ایک بڑی جماعت کی معیت رہی۔ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حکیم ضیاء الدین رامپوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی وغیرہ حضرات کے علاوہ اس مقدس قافلے میں تقریباً" سو ۱۰۰ افراد تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ مولانا کا کلام اردو فارسی میں بیاض یعقوبی میں درج ہے۔ اشعار میں قدرت کلام کے ساتھ سوز و گداز اور درد و اثر پایا جاتا ہے۔ تصانیف میں کئی

رسالے ان کی یادگار ہیں۔ سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ' اگرچہ بہت مختصر سوانح حیات ہے مگر زبان و بیان اور حالات و واقعات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ اسی طرح سے "مکتوبات یعقوبی" جو مولانا کے خطوط ہیں اور طریقت و سلوک کے بارے میں بہترین دستور العمل ہیں۔ "بیاض یعقوبی" سفرحج کے حالات ' کتب احادیث کی اسانید ' منظومات اور عملیات پر مشتمل ہے۔

الغرض حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ دارالعلوم کے سب سے پہلے شیخ الحدیث تھے۔ اس وقت یہ منصب صدر مدرس کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ آپ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم میں تشریف لائے اور تقریباً" اٹھارہ سال دارالعلوم دیوبند میں اسی منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ دارالعلوم کی عظمت و شہرت میں حضرت مولانا قدس سرہ کے علم و فضل کا بڑا حصہ ہے۔ وفات سے کچھ روز قبل اپنے وطن نانوتہ تشریف لے گئے تھے اور ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو بمرض فالج داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیو بند کی داغ بیل اور ان علمائے ربانیین نے ڈالی تھی جو سراپا خلوص و للہیت تھے۔ ان کا دل و دماغ ملت اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے کو اشاعت دین اور ترویج علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رب العالمین نے دارالعلوم اور اس کی خدمت کو مقبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی علمی ' اخلاقی اور اصلاحی جو خدمات عظیمہ انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ہیں۔ یہاں سے ہزاروں علماء اور صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہترین محدثین ' فقہاء ' مصنفین اور مبلغین کا جم غفیر بھی ہے۔ اور رشد و ہدایت اور تزکیہ باطن کرنے والوں کی ایک لمبی جماعت بھی ہے بلکہ ان میں وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی اور یہاں کے باشندوں کی اصلاح کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رحمہم اللہ نے اسلامی روح کی حفاظت کی۔ اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست جدوجہد کی۔ انہوں نے اسلامی مسائل کو عقلی دلائل سے مستحکم کیا۔ تباہ کن رسم و رواج کی مخالفت کی۔ ان اکابر نے اسلامی عقائد ' سماجی رسوم ' دینی تعلیم و تربیت اور سیاسی جدوجہد کے گوناگوں مقاصد بروئے کار لانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے دارالعلوم دیو بند منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اللہ تعالی نے دارالعلوم کی تحریک کو شرف قبول عطا فرمایا۔ ملک کے طول و عرض میں ہر طرف لوگوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ اوہام و رسوم اور شرک و بدعت کے جو گہرے بادل ہندوستان کی فضاؤں میں چھائے ہوئے تھے ' رفتہ رفتہ چھٹنے شروع ہو گئے اور

ان کی جگہ کتاب و سنت کے احکام پر عمل کیا جانے لگا۔ دارالعلوم کا قیام جن مقاصد کے لئے عمل میں لایا گیا ان میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث عقائد و کلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون عالیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا اور اعمال و اخلاق کی اصلاح و ترتیب کرنا شامل ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد دارالعلوم کے سرپرست ثانی قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع فقیہہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی پیدا ہوا اور اس طرح فقہ اور فقہا کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزارہا انسانوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علماء و فقہا کی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتنا راسخ اور مستحکم بنا دیا کہ ان افراد پر کوئی بھی فتنہ اثر انداز نہ ہو سکا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے امام ملت، قطب عالم، نمونہ علم و عمل، رشد و ہدایت کا مرکز، عظیم مصلح، مربی اخلاق اور قومی و ملکی امور میں مسلمہ قائد تسلیم کئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا تھا۔ اور نو ماہ تک اسیر فرنگ رہے تھے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات سے بے خبری کی بناء پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی لا یعبأ بہ اور باخبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

"۱۸۵۷ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء ہو گئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شاملی کے معرکہ جہاد میں شامل ہو کر خوب داد و شجاعت دی۔ جب میدان جنگ میں حضرت حافظ ضامن شہید ہو کر گرے تو آپ ان کی نعش اٹھا کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔

معرکہ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ اور ان کو گرفتار کر کے سہارنپور کی جیل میں بھیج دیا گیا پھر وہاں سے مظفر نگر منتقل کر دیا گیا۔ چھ ماہ جیل میں گزرے۔ وہاں بہت سے قیدی آپ کے معتقد ہو گئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی۔ رہائی کے بعد گنگوہ میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کے بعد آپ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ ختم کرا دیتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھاتے تھے۔ آپ کے درس کی شہرت سن سن کر طلباء حدیث دور دور سے آتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی تعداد ستر اسی تک پہنچ جاتی تھی۔ جن میں ہندو بیرون ہند کے طلباء شامل ہوتے تھے۔ طلباء کے ساتھ ایک نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ درس کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک عامی بھی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ حدیث کے معمول کو سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ جامع ترمذی کی درسی تقریر 'الکوکب الدری' شائع ہو چکی ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود ترمذی کی نہایت جامع شرح ہے۔ ۱۳۱۳ھ تک آپ کا درس جاری رہا۔ تین سو سے زائد حضرات نے آپ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ درس حدیث میں آپ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحیی صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آخر میں نزول الماء کی وجہ سے درس بند ہو گیا تھا مگر ارشاد و تلقین اور فتوی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ذکر اللہ کی تحریص و ترغیب پر بڑی توجہ تھی جو لوگ خدمت میں حاضر ہوتے رغبت آخرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے کر جاتے تھے۔ اتباع سنت کا نہایت احترام فرماتے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیو بند کے سرپرست ہوئے۔ مشکل حالات میں دارالعلوم کی گتھیوں کو سلجھا دینا ان کی بڑی خصوصیت تھی۔ ۱۳۱۴ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی۔ فقہ اور تصوف میں تقریباً" چودہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب

مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ" میں لکھا ہے کہ

"جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی زمانے سے ہم سبق اور دوستی رہی ہے۔ آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔"

چنانچہ انہوں نے بڑی تیز رفتاری سے سلوک کی منزلیں طے کر لیں اور صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہو گئے اور گنگوہ واپس آکر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ اس دوران میں مطب ذریعہ معاش رہا' ہزاروں افراد کی اصلاح فرمائی۔ اور بڑے بڑے نامور علماء ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ اسی طرح سے ان کے تلامذہ اور خلفاء کا ایک وسیع حلقہ بن گیا جن میں سے کئی حضرات تو رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور پھر ساری عمر اصلاح و تربیت مخلوق خدا میں مصروف رہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ

"قطب عالم حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ زہد و تقوی اور سادگی و تواضع و فنائیت میں بھی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے۔ کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو۔ جونہی آپ کی صحبت میں بیٹھے قلب میں ایک خاص قسم کا سکون اور جمعیت حاصل ہوئی۔ جس سے سب کدورتیں رفع ہو

گئیں اور قریب آپ کے کل مریدوں میں عقائد کی اصلاح ' دین کی پختگی ' خصوصاً" حب فی اللہ و بغض فی اللہ بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا۔ یہ سب برکت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی ہے۔"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر "ابو حنیفہ عصر" کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ اسی طرح استاذ المکرم امام و العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ جیسے بلند پایہ عالم و محقق جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو "فقیہ النفس" کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت گنگوہی کو فقیہ النفس" فرمایا کرتے تھے۔ بہرحال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ اور علم و فضل کا کیا ٹھکانہ؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۹'۸ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ اذان کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں یہ سب سے بڑا حادثہ تھا۔ حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

جن قدسی صفات بزرگوں نے دارالعلوم دیو بند کی بنیاد رکھی ان میں ایک مبارک نام حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قدس سرہ کا بھی ہے۔ آپ ابتداء ہی سے تاسیس مدرسہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے دست و بازو رہے ہیں اور بناء مدرسہ کے بعد بھی اس کی ذمہ دار مجلس کے رکن رکین کی حیثیت سے دارالعلوم کے تمام امور میں عملاً" شریک و معاون رہے ہیں۔ آپ نے بھی دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ سے تعلیم پائی تھی۔ اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ متعدد نظمیں' قصیدے' اور مرثیے وغیرہ ان کے ذوق شاعری کے آئینہ دار ہیں۔ دیو بند میں ۱۳۰۱ھ ' ۱۸۸۳ء میں ایک زبردست پلیگ پھیلا تھا اس پلیگ کی تباہ کاریوں کو انہوں نے فارسی زبان میں نظم کیا ہے۔ اس نظم کا تاریخی نام قصہ غم دیوبند ۱۳۰۱ھ ہے۔ دیو بند کے حالات میں یہ تاریخی دستاویز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قدس سرہ کو مادہ تاریخ کے نکالنے میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ دارالعلوم کی روئیدادوں میں ان کی بہت سی نظمیں اور تاریخی قطعات درج ہیں۔ محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے۔ بریلی' بجنور' اور سہارنپور وغیرہ اضلاع میں تعینات رہے۔ ۱۸۵۷ء میں بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اس ہنگامے میں جب مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بریلی چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا تو اپنے بعض معاملات انہیں کے سپرد کئے تھے۔

حضرت الاستاذ مولانا سید اصغر حسین صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ " خاقانی ہند حضرت مولانا فضل الرحمان عثمانی قدس سرہ نے دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ جہاں سے ملک کے مشاہیر آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ وہ دارالعلوم دیو بند کے قدیم رکن اور

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کے معاون خصوصی تھے۔ فارسی ادب میں خصوصیت سے مہارت رکھتے تھے۔ اور ایک زبردست شاعر تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کے بارے میں ایک دلگداز طویل مرثیہ نظم فرمایا تھا۔ ان کی خاندانی شرافت اور علمی لیاقت کے باعث حکومت ہند نے انہیں ڈپٹی مدارس کے عہدہ جلیلہ پر فائز کیا تھا۔ انہوں نے ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۲۵ھ تک بیالیس سال دارالعلوم دیو بند کی مخلصانہ بے لوث خدمات انجام دیں۔ اور عمر کے آخری لمحوں تک دارالعلوم کے بانی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک میں مصروف رہے۔ دارالعلوم کے صدقہ جاریہ کے سلسلے میں جن حضرات اکابر کو اجر و ثواب سے نوازا جائے گا ان میں حضرت مولانا فضل الرحمان عثمانی بھی ہوں گے۔

بہرحال حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قدس سرہ دارالعلوم دیو بند کے بانیوں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ہمارے اسلاف کرام میں سے ہیں۔ انہوں نے ۳ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۰۷ء کو بروز ہفتہ بوقت ظہر انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ انہوں نے اپنے بعد اپنے فرزندوں سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی مفتی اعظم دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی مہتمم دارالعلوم اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیو بند و شیخ الاسلام پاکستان جیسے مشاہیر اور یگانہ روزگار علماء چھوڑے۔ ندوۃ المصنفین دہلی کے ناظم اعلی حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی بھی انہی کے پوتے ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف رشید نے عظیم دینی و علمی خدمات انجام دی ہیں جن کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری و ساری ہے۔

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور جلیل القدر محدث تھے۔ آپ جامع مسجد امروہہ کے مدرسہ میں جسے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم فرمایا تھا ایک طویل عرصہ تک بحیثیت صدر المدرسین فائز رہے۔ اور آخر عمر تک درس حدیث میں منہمک رہے۔ آپ علوم قاسمیہ کے امین تھے اور ان کی ترویج میں عمر بھر نمایاں حصہ لیتے رہے۔ اپنی مخصوص صلاحیتوں کے لحاظ سے آپ علوم قاسمیہ کی مجسم تصویر اور باالفاظ دیگر حضرت نانوتوی قدس سرہ کے مثیل شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا فیضان علمی دور دور تک پہنچا۔ اور سینکڑوں طالب علم آپ کے درس سے عالم و فاضل بنکر نکلے۔ عالم بے مثل حضرت مولانا عبدالرحمان خان صاحب خورجوی رحمۃ اللہ علیہ ' مفسر شہیر حضرت مولانا حافظ عبدالرحمان امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور اس قسم کے دوسرے اور بھی بہت سے ماہرین علم و فضل آپ کے تلامیذ ہیں۔ جن سے علم و دین پھیلا اور ایمان و عرفان کا رنگ دلوں میں جما۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ اپنے اس جلیل القدر تلمیذ سے بے حد شفقت فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کا اس قدر احترام فرماتے کہ "ہمیشہ میر صاحب کہہ کر پکارتے تھے" حضرت نانوتوی قدس سرہ کو آپ سے اتنا تعلق تھا کہ کئی مرتبہ اپنے اس عزیز شاگرد کی وجہ سے امروہہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے مدرسہ امروہہ کے علاوہ اپنے استاذ محترم کے دارالعلوم دیو بند میں بھی درس دیا ہے۔ آپ کا درس نہایت جامع ' شستہ اور پر مغز ہوتا تھا اور تقریر و تحریر میں اپنے استاذ مکرم کا مکمل نمونہ دکھائی دیتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ

" حضرت محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام علوم و کمالات کا آئینہ دار اور نمونہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔"

حضرت قاسم العلوم و المعارف مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے تھے کہ

"ان کا ذہن چاندی ہے اور میرا ذہن سونا ہے اور مزاج کے اعتبار سے وہ ہم سے زیادہ قریب ہیں"

اس ارشاد کے بعد حضرت محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ کے فضل و کمال کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

آپ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ متعدد مناظروں میں بھی شرکت فرمائی تھی اور مناظرہ میں بھی اپنے استاذ محترم کی طرح ید طولی رکھتے تھے اور قاسمی رنگ غالب رہتا تھا۔

ضلع بجنور میں آریوں کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ جس میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقریر فرمائی تھی "افادات احمدیہ" میں یہ تقریر دعوت اسلام کے عنوان سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں توحید ' رسالت ' مقصود زندگی ' سیرت رسول ؐ اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس تقریر میں بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرانہ جھلک رہا ہے۔ تقریر کا ایسا اثر تھا کہ مجمع میں بعض نو مسلموں نے تقریر سن کر کہا کہ اگر کسی تقریر پر ایمان لے آنا چاہئے تو یہ تقریر ایسی ہی تھی۔ الغرض آپ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم میں بھی کمال درجہ حاصل کئے ہوئے تھے۔ آپ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت و خلافت حاصل کی تھی اور سلوک و تصوف میں بھی اعلی مقام حاصل تھا۔ ایک مرتبہ آپنے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی خدمت میں اپنا سلام اور حاضر نہ ہونے کی معذوری کہلا کر بھیجی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

" ہماری یہ ٹوپی ان کو دے دینا اور یہ کہنا کہ جو کام تم امروہہ میں رہ کر انجام دے رہے ہو وہ یہاں کی حاضری سے بہتر ہے۔"

الغرض آپ نے ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں گزاری اور بالآخر ۲۸' ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بمرض

طاعون آپ کا انتقال ہوا۔ والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جامع مسجد امروہہ کے صحن کے جنوبی گوشے میں دفن کیا گیا۔ انتقال سے کچھ دیر پہلے لیٹے لیٹے وعظ فرمایا۔ جب روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تو یہ کلمات زبان پر جاری تھے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم ○

حضرت مولانا امروہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں قائم فرمایا تھا وہ اب تک جاری ہے اور آپ کا صدقہ جاریہ ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ العزیز

صدارت تدریس دارالعلوم کا اہم ترین اور ذمہ دارانہ عہدہ شمار کیا گیا ہے۔ جس پر وہ ہستی فائز تھی جو حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ کے نام نامی و اسم گرامی سے معروف ہے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

آفتاب کو ممکن ہے کہ کچھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن علمی دائرہ کا کون فرد ہوگا جو اس یگانہ روزگار ہستی اور اس کے فیوض ' برکات سے واقف نہ ہو۔ علمی میدان میں عارف باللہ ' عملی میدان میں مجاہد اعظم ' اخلاقی میدان میں مافی اللہ سیاسی میدان میں زعیم مخلص عقلی میدان میں فرزانہ فرید شعر و ادب کے میدان میں ادیب بے مثال شخصیت کے میدان میں شیخ کامل ' دارالعلوم کو اگر آسمان فرض کیا جائے تو آسمان کا سورج اپنے وقت میں شیخ الہند کی ذات بابرکات تھی۔ جس سے شیخ الہند کے انفاس طیبہ عیاں ہیں۔

اسیر مالٹا نامی کتاب الگ چھپ چکی ہے۔ جس سے شیخ الہند کے صبر و جہاد بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کی داستان حیات نمایاں ہے۔ تلامذوں کی تعداد ہزاروں کی الگ ہے جو ان کے علم و فضل کا اشتہار ہے۔ متوسلین ہزاروں کی تعداد میں الگ ہیں جو ان کی شان تربیت کا اعلان ہے۔ خود ان کی تصانیت الگ ہیں جو ان کے مدرک فکر کو نمایاں کر رہی ہیں۔ ملک و سیاست کی کھلی بساط پر ان کے مجاہدانہ کارنامے اور قید و بند اور تحمل شدائد مصائب کی داستانیں الگ ہیں جو ان کے جوش عمل کا کھلا تعارف ہیں۔ اس لئے وہ کونسا دائرہ علم و عمل رہ جاتا ہے جسے اچھوتا سمجھ کر سپرد قلم کیا جائے۔ بجز اس کے کہ ان کا نام نامی لے دیا جانا ہی سارے کمالات کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ سورج کا نام لے دینا ہی روشنی و گرمی کا تذکرہ ہے۔ نام لے کر اس کی روشنی و گرمی کا تعارف کرانا اس پر اور اس کے کاموں پر گویا

خفاء وتستر کا عیب لگاتا ہے جس سے وہ بری ہے۔ آفتاب کے کاموں کی دلیل محض اس کا نام لے دیا جاتا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت ممدوح کی ہمت ظاہری و باطنی سے علم اخلاق کے کتنے پیکر تیار ہوئے اور عالم اسلامی میں ان کے آثار صالح کس حد تک پھیلے۔ نیز آپ کی ذات سے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے علمی و اخلاقی مسلک کا کس حد تک شیوع و فروغ ہوا۔ نہ اس کے لئے یہ سطریں کفایت کر سکتی ہیں اور نہ یہ اس تحریر کا موضوع ہی ہے۔ مقصد صرف تذکار و یادگار اور اس حیلہ سے نام نامی اور اسم گرامی کا زبان قلم پر لے آنا ہے۔

آپ نے دارالعلوم میں ۱۲۹۰ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور اپنے استاد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی میں ۱۲۹۱ ھ میں دارالعلوم کے مدرس چہارم مقرر ہوئے۔ ۱۲۹۷ھ میں جبکہ حضرت نانوتوی کی وفات ہوئی۔ فرط غم سے درس و تدریس کا سلسلہ ترک کر دیا اور فرمایا کہ اب پڑھنے پڑھانے کا لطف نہیں۔ گھاس کھود کر زندگی بسر کر لیں گے اور یاد استاد میں عمر گزار دیں گی۔ لیکن حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد رمضان منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ مہاجر کامل حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے اور دوسرے اکابر کے کہنے اور سمجھانے پر راضی ہوئے اور پھر سلسلہ تعلیم جاری فرمایا۔ ۱۳۰۸ میں آپ عہدہ صدارت تدریس پر لئے گئے۔ اور آپ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقدس عہدہ کے لئے چنا اور آپ کے فیوض سے علمی حلقے مستفید ہونے شروع ہوئے۔ آپ کی ظاہری و باطنی برکات سے دارالعلوم دیوبند کا احاطہ چالیس برس تک جگمگاتا رہا اور اس عرصہ میں ہزارہا فرد علماء اس شیخ کامل کے حلقہ درس سے آفتاب و ماہتاب بن کر نکلے۔

صدر المدرسین دارالعلوم 'اگر یہ مثل صحیح ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور بلاشبہ صحیح ہے تو یگانہ دہر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ علامہ مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علمائے ہند حضرت اقدس مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند' حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی' شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ' مولانا محمد میاں منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ مہاجر کامل حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم زید فضلہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند' حضرت

مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند زید مجدہ جیسے سینکڑوں فضلاء و اتقیاء کو سامنے لے آنا شیخ الہند کو سامنے کر لینا ہے۔ یعنی ان بزرگوں کے علمی و عملی کارنامے شیخ الہند کے تعارف کی حد تام ہیں۔ جس کے ایک ایک مقدمہ کے آئینے میں شیخ الہند کی تصویر نظر آتی ہے۔ شیخ کے ان تلامذہ میں حقیقت یہ ہے کہ ایک ایک فرد ایک ایک امتہ کے برابر امت قانتہ ثابت ہوا ہے۔ بلاشبہ ان علمی ستاروں کی چمک دمک میں شیخ الہند کا علمی و عملی نور روشن نظر آتا ہے۔ اس لئے ان علمی، عملی، اخلاقی، حسی، اور اعیانی شہادتوں کے ہوتے ہوئے کون سا واقعہ رہ جاتا ہے کہ ان چند سطور میں کچھ لکھ کر ان مشاہد چیزوں کی اہمیت گھٹائی جائے۔ یا ان معیاری داستانوں کو ان میں کھپا دیا جائے۔

مالٹا سے تشریف آوری کے بعد میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت ان دونوں بچوں (محمد طیب اور محمد طاہر) کو بیعت فرما لیجئے۔ فرمایا' بھائی حافظ جی میں تو ان سے بیعت جہاد لوں گا۔ والد نے فرمایا کہ آپ میری طرف سے ان کے سر کٹوا دیجئے اس میں مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔؟ آپ جانے اور آپ کی اولاد جانے' ہنسے اور پھر فرمایا کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے۔ دو بزرگوں (حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کے دو ہی صاحبزادے ہیں (مولانا مسعود احمد گنگوہی اور حافظ احمد صاحب) اس نے دونوں پر پہلے ہی سے قبضہ جما رکھا ہے۔ اب اگر ان بچوں کو بھی بیعت کر لیا تو کہیں گے کہ ہوشیاری دیکھو کہ اس نے آگے کو بھی قبضہ بحال رکھنے کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ بہرحال اس قسم کی مزاحی باتیں جانبین سے ہوتی رہیں۔ یہ مجلس ختم ہو گئی۔ دو دن کے بعد اچانک خود ہی دارالعلوم میں تشریف لا کر مجھے اور طاہر مرحوم کو بلایا۔ ہمارے ذہن میں بھی نہیں رہا تھا کہ ہمیں بیعت بھی ہونا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کیوں یاد فرمایا ہے؟ فرمایا مرید بھی کرنا ہے' اس وقت ندامت سی ہوئی کہ اس کے لئے ہمیں خود حاضر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہاں قصہ برعکس ہو رہا ہے۔ بہرحال یہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور مربیانہ تربیت کا بے مثال نمونہ تھا۔ جو اس ذات ستودہ صفات میں حق تعالی نے ودیعت فرمایا تھا اور نیک نصیب افراد کو ان سے برس ہا برس استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

اس سے اندازہ کیجئے کہ جس مقدس ادارہ کے ذمہ دار ایسے مقدس اور برگزیدہ افراد ہوں ان کے علمی اور عملی نظام کی خوبیوں کا کیا پوچھنا۔ اور جس دائرہ کے مربی و معلم اس انداز کے ہوں، اس کے فیض یافتہ اور مستفیدوں کے درجات کا کیا کہنا۔

اولٰئک ابائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع
یہ ہمارے اسلاف ہی تو بھی ان کی مثل لا
اے جریر جب تو کسی مجمع میں ہمارے مقابلہ میں آئے

اس رفعت شان پر بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ گویا نفس یا کوئی تقاضا باقی ہی نہیں رہا تھا یا اس کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ یا اسے پامال کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ اس زمانہ میں اکثر مساجد میں کسیر بچھا دی جاتی تھی جو نرم بھی ہوتی تھی اور گرم بھی۔ یہ گھاس تالابوں میں پیدا ہوتی ہے۔ جب سوکھ جاتی ہے تو لوگ اسے بچھانے کے لئے آتے تھے۔ اسے دیہات کا قالین یا نرم گدہ سمجھنا چاہئے۔ حضرت شیخ کی مسجد میں بھی سردیوں میں برابر اس کا فرش ہوتا تھا۔ موسم سرما آنے پر ایک دن خود ہی طلبہ سے فرمایا کہ آؤ بھئی مسجد کے لئے کسیر لے آویں۔ چار طلبہ کے ساتھ ہو لئے۔ انہیں حضرت اپنے باغ میں لے گئے۔ وسط باغ میں بڑا تالاب بھی تھا اور اس پر کسیر بکثرت پیدا ہوتی تھی چنانچہ کسیر کاٹی گئی۔ خود حضرت بھی درانتی سے کاٹنے میں شریک رہے۔ کاٹ کر جمع شدہ ذخیرہ کے پانچ گٹھڑ بنائے۔ طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت پانچ گٹھڑیاں کیوں بنائی گئی ہیں۔ ہم تو چار ہیں۔ فرمایا اور میرا حصہ آخر کہاں گیا؟ یہ کہہ کر چار بڑی بڑی گٹھڑیاں تو طلبہ کے سروں پر رکھوائیں اور ایک اپنے سر پر رکھی۔ ہر چند طلباء بضد ہوئے کہ حضرت اس ذخیرہ کی چار گٹھڑیاں کر دی جائیں ہم کافی ہیں، کچھ زیادہ بوجھ نہیں۔ مگر حضرت نے نہ مانا۔ چار گٹھڑیاں گھاس کی طلبہ کے سروں پر ایک گٹھڑی اپنے سر پر رکھ کر یہ قافلہ چلا۔ شہر میں آیا اور بازار کے ایک حصہ میں سے گزرا۔ ان طلبہ کو تو ممکن ہے کہ سر پر گھاس رکھ کر بازار میں سے گزرنے پر کچھ عار آرہا

ہو۔ لیکن حضرت کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ گویا اپنے کو اس بوجھ اٹھانے کا اہل اور مستحق سمجھ کر شہر سے گزر رہے تھے۔ دیہات والے بھی اب جسے پسند نہیں کرتے موصوف کے یہاں وہ بوجھ بے نفسی ایک معمولی بات تھی۔ میرے خسر مولوی محمود صاحب رام پوری فرماتے تھے کہ وہ دیو بند میں طالب علمی کے زمانہ میں چھوٹی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ جس میں حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا۔ اس زمانہ میں طلبہ میں چارپائی کا دستور نہ تھا۔ سادگی اور تواضع سے عموماً طلبہ زمین پر لیٹتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف باوجود رئیس گھرانے کا ایک فرد ہونے کے عام طلبہ کی طرح فرش زمین پر ہی اپنے حجرہ میں لیٹا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا موصوف سے رام پور کے اس گھرانے سے بہت گہرا اور مخلصانہ تعلق تھا۔ اور مولوی محمود صاحب مرحوم سے یوں بھی خصوصیت زیادہ تھی۔ ایک دن حضرت شیخ چھوٹی مسجد میں تشریف لائے اور مولوی محمود صاحب کے حجرہ پر گزر ہوا۔ یہ زمین پر فرش بچھائے لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا محمود تیرے پاس چارپائی نہیں۔؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت چارپائی تو نہیں ہے مجھے زمین پر لیٹنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اس سے بہت متاثر ہوئے مگر فرمایا کچھ نہیں۔ اگلے دن دوپہر کا وقت تھا' گرمی شدید تھی' لو چل رہی تھی' کہ مولوی صاحب نے کھڑکی سے دیکھا۔ حضرت اپنے کندھے پر ایک چارپائی لئے خود تشریف لا رہے ہیں۔ وزنی چارپائی ہے مگر اسے سر پر اٹھا رکھا ہے۔ مولوی صاحب صورتحال دیکھتے ہی حجرہ سے نکل کر ننگے سر اور ننگے پیر حضرت کی طرف دوڑے۔ حضرت انہیں بھاگتا ہوا دیکھ کر وہیں سڑک پر کھڑے ہو گئے اور چارپائی زمین پر رکھ دی۔ جب یہ قریب پہنچے تو ایک خاص انداز سے فرمایا کہ جناب یہ لے جاؤ اپنی چارپائی مجھ سے نہیں اٹھتی میں بھی شیخ زادہ ہوں۔ مجھ سے یہ چارپائیاں نہیں گھسیٹی جاتی۔ یہ فرما کر پیٹھ پھیر لی اور گھر روانہ ہو گئے۔ مولوی صاحب کچھ کہنے ہی نہ پائے اور چارپائی اٹھا کر حجرہ میں لے آئے۔ گویا انہیں کوئی کلمہ معذرت کا بھی کہنے نہیں دیا کہ وہ معنی ثناء حسن ہو جاتی۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی کا اور کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا اپنے چھوٹوں پر اور کیا ہے مدح خلق سے اس استغناء کا اور کیا

ٹھکانا ہے اس ذکاء و دانش اور معاملات میں حسن اسلوب کا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی عادت تھی کہ ہر جمعرات کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضری کے لئے گنگوہ کا سفر پیدل کیا کرتے تھے۔ جمعرات کو چھٹی کا گھنٹہ بجتا۔ اسی وقت سبق سے اٹھ کر گنگوہ کا راستہ لیتے۔ گنگوہ دیوبند سے ۲۲ کوس یعنی ۳۰ میل ہے۔ حضرت اذان عصر پر چلتے اور عشا گنگوہ پڑھ لیتے تھے۔ جمعہ کا پورا دن حضرت گنگوہی کی خدمت میں گزار کر اذان عصر کے قریب گنگوہ سے واپس ہوتے اور عشاء دیوبند پڑھ لیتے تھے۔ برسہا برس یہ معمول رہا۔ سردی ہو یا گرمی یہ معمول قضا نہ ہوتا تھا۔ مولوی محمود صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہم دو تین طلباء نے اصرار کیا کہ حضرت ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ فرمایا اچھا، مگر اس دن حضرت نے ان طلباء کی رعایت سے پیدل سفر کرنے کی بجائے ارادہ کیا کہ سفر سواری پر ہو تو کمہار کا ایک ٹٹو کرایہ پر لے لیا اور ارادہ یہ کیا کہ دو تین طلباء اترتے چڑھتے چلے جائیں گے۔ چنانچہ کمار ٹٹو لے کر دارالعلوم کے دروازے پر آگیا۔ حضرت حسب معمول اذان عصر کے قریب درس سے اٹھے۔ یہ طلباء بھی حاضر تھے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی میاں محمود پہلے تم سوار ہو پھر باری باری ہم بھی سوار ہوتے رہیں گے۔ انہوں نے حضرت کے سوار ہونے پر اصرار کیا۔ گو حضرت نے نہ مانا۔ زبردستی مولوی محمود صاحب کو ٹٹو پر سوار کر دیا۔ دو طلبہ اور خود حضرت پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہوئے بلکہ ایک قمچی ہاتھ میں لے کر ٹٹو کو ہنکانے کا فریضہ بھی اپنے ذمہ لیا۔

مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں سخت ضیق میں تھا کہ حضرت تو پیچھے پیچھے پیدل ہیں اور میں سوار ہوں۔ مگر مجبور تھے حکم یہی تھا۔ دو چار میل چل کر یہ ٹٹو سے اتر گئے تو حضرت نے زبردستی دوسرے طالب علم کو بٹھایا اور خود ٹٹو ہانکتے جا رہے ہیں۔ چار پانچ میل پر تیسرے طالب علم کو چڑھا دیا۔ غرض تیس میل کا سفر پورا طے ہو گیا۔ مگر خود نہیں چڑھے۔ باری باری ان طلباء کو بٹھاتے رہے۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ یہ ٹٹو اپنے لئے کرایہ پر نہیں لیا تھا بلکہ شفقتاً" ان طلبہ کے لئے لیا گیا تھا۔ جمعہ کو واپسی ہوئی تو یہ طلبہ بہت گھبرائے کہ اب پھر وہی معاملہ ہو گا کہ ہم ٹٹو پر سوار ہوں گے اور حضرت پیدل چلیں گے۔ باہم مشورہ ہوا کہ آخر کیا صورت

اختیار کی جائے۔ کہ ہم پیدل چلیں اور حضرت کو ٹٹو پر سوار کر دیں۔ مولوی محمود صاحب فرماتے تھے کہ میں نے کہا ترکیب تو میں کر دوں گا کہ حضرت پورے راستہ ٹٹو سے نہ اتر سکیں مگر ایک دفع سوار کر دینا ہے۔ چنانچہ جب گنگوہ سے روانگی ہوئی تو حسب معمول طلبہ پر زور دیا کہ سوار ہو مگر یہ لوگ ایکا کر چکے تھے۔ عرض کیا کہ حضرت آتے ہوئے ہم سوار رہے اب واپسی میں یہ نہیں ہو گا۔ حضرت سوار ہوں خواہ پھر اتر لیں۔ مگر ابتداء حضرت ہی کے سوار ہونے سے ہو گی۔ جب یہ سب اکٹھے ہو کر بضد ہوئے تو حضرت نے آخر قبول فرمالیا اور ٹٹو پر سوار ہو گئے۔ طلبہ نے چپکے سے مولوی محمود صاحب سے کہا کہ اب تم وہ موعودہ ترکیب کرو کہ حضرت دیو بند تک ٹٹو سے اترنے نہ پائیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے وہ موثر نسخہ استعمال کیا۔ جب حضرت سوار ہو گئے تو انہوں نے ٹٹو کے برابر میں آکر حضرت نانوتوی ' حضرت حاجی امداد اللہ ' حضرت حافظ صاحب شہید وغیرہ اکابر کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ حضرت کی عادت تھی کہ ان بزرگوں کا تذکرہ چھڑتے ہی اس میں محو ہو جاتے تھے۔ اور پھر ادھر ادھر کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔ ان حضرات کا ذکر چھڑتے ہی جو حضرت نے ان بزرگوں کے واقعات بیان کرنے شروع کئے تو نہ حضرت کو راستہ کی خبر رہی نہ ان طلبہ کی۔ پورے چھتیس میل کا سفر طے ہو گیا کہ ندی آگئی۔ جو دیو بند سے تین چار میل کے فاصلہ پر ہے ندی دیکھتے ہی حضرت نے گھبرا کر فرمایا کہ اوہو ندی آگئی۔ اور یہ کہہ کر ٹٹو سے کود کر اترے۔ فرمایا بھائی میں نے تم سب کا حق مار لیا لو جلدی سے تم سوار ہو۔ طلبہ نے ہر چند حضرت کے بیٹھنے کا اصرار کیا۔ مگر اب حضرت تہیہ فرما چکے تھے۔ کسی کی نہیں سنی باری باری ان لوگوں کو بٹھلایا۔ شہر میں داخل ہوئے تو پھر اسی شان سے کہ طلبہ سوار ہیں اور حضرت پیدل ہیں چھی ہاتھ میں ہے اور ٹٹو ہانک رہے ہیں۔ جس سے طلبہ بچنا چاہتے تھے۔ بالآخر وہی چیز پھر سامنے آکر رہی۔ سبحان اللہ بے نفسی اور شفقت کی انتہا ہے۔

حضرت اقدس کو اس بے نفسی کے عالم میں کسی بھی ایسے کام سے عار نہ تھا جو بظاہر علماء کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ عار تو جب آئے کہ خلاف شان کیا جائے۔ اور جو شان ہی مٹا چکا ہو اس کے خلاف شان کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا تھا۔

میرے رشتہ اور خطبہ کا جب سوال آیا تو حضرت کی ہی رائے تھی کہ یہ رشتہ رام پور میں مولوی محمود صاحب مرحوم کی لڑکی سے بھیجا جائے۔ حضرت کا اس گھرانے سے گہرا تعلق تھا۔ اور چونکہ حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولوی محمود احمد صاحب مرحوم کے تایا تھے۔ حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور بڑے قوی النسبۃ اکابر میں سے تھے) اس تعلق سے رامپور کے گھرانے سے روحانی رشتہ بھی تھا دوسرے یہ کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی رامپور کا گھرانہ بہت عزیز تھا۔ گھر کے سے تعلقات تھے۔ بہرحال چند در چند روابط تھے جس سے اس خاندان اور گھرانے سے گنگوہ' دیو بند اور تھانہ بھون کے نسبی اور روحانی کئی طرح کے رشتے اور خصوصی تعلقات تھے۔ اس لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا اصرار تھا کہ طیب کا رشتہ رام پور کے اس خاندان میں مولوی محمود صاحب کی لڑکی سے بھیجا جائے۔ جب والد صاحب مولانا حبیب الرحمان صاحب اور یہ سب بزرگ اس رائے پر متفق ہو گئے تو حضرت ہی نے بڑی امنگ اور جوش مسرت سے فرمایا کہ بھائی یہ رشتہ میں لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ یہ پیغام خود ہی لے کر رام پور تشریف لے گئے اور وہاں فرمایا کہ بھائی میں اس وقت حضرت نانوتوی کے گھرانے کے ایک ڈوم اور حجام کی حیثیت سے رشتہ کا پیامی بن کر آیا ہوں۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس بے نفسی اور نسبت کی عظمت و احترام اور تعلقات کے نبھانے اور انہیں مستحکم کرنے کے جذبات کا' یہی چیز تھی جس نے شیخ کو شیخ الہند بنایا۔ اور عالمگیر مقتدائی کا منصب عطا فرمایا۔ افسوس یہ ہے کہ جب نکاح کا وقت آیا تو حضرت مالٹا کے اسیر ہو چکے تھے۔ رامپور میں بسلسلہ برات سارے اکابر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت رائے پوری اور دیو بند اور سہارن پور کے تمام اکابر و مشائخ جمع تھے۔ مگر حضرت نہ تھے۔ میرا نکاح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔ اور حضرت شیخ کی عدم موجودگی سب محسوس کرتے رہے۔

حضرت نانوتوی کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب مرحوم جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو علاج کے لئے دیو بند لائے گئے تھے۔ قیام حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تھا۔ دستوں کا مرض تھا۔ بعض اوقات دستوں کی کثرت سے کپڑے بھی

آلودہ ہو جاتے اور انہیں دھونا پڑتا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام نے کپڑوں کا دھونا اپنے ذمہ لینا چاہا مگر حضرت اجازت نہیں دیتے تھے اور فرماتے کہ یہ میرا حق ہے اسے تکلف مت کرو۔ چنانچہ خود کپڑے دھوتے تھے۔ اسی دوران میں ایک دفعہ دست چارپائی پر خطا ہو گیا۔ اس وقت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں موجود نہ تھے۔ حضرت شیخ الہند موجود تھے۔ اور صورت ایسی ہو گئی کہ نجاست اٹھانے کیلئے ظرف بھی نہ تھا اور حضرت شیخ نے بے تکلف ساری نجاست اپنے ہاتھوں اور ہتھیلیوں میں لے لی اور سمیٹنی شروع کر دی۔ تمام ہاتھ گندگی میں آلودہ ہی نہ تھے بلکہ ہاتھوں میں نجاست لبریزی کے ساتھ بھری ہوئی تھی۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پہنچ گئے اور دیکھا کہ حضرت شیخ الہند کے دونوں ہاتھ نجاست اور مواد سے بھرپور ہیں اور وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر بار بار باہر جاتے ہیں اور پھینک پھینک کر آتے ہیں۔ اس پر حضرت نانوتوی بہت متاثر ہوئے۔ اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور عرض کیا کہ خداوند محمود حسن کے ہاتھوں کی لاج رکھ لے۔ اور اس خاص وقت میں جو جو بھی اپنے اس محبوب تمیذ کے لئے مانگ سکتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے مانگتے رہے۔ اس قبولیت اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے کیا کچھ اثر نہ دکھایا ہو گا۔ دکھلایا اور ہی وہی مولوی محمود حسن تھے کہ ہند کے شیخ اور عالمگیر زعیم بنے جن کی فراست و جواں مردی اور جوش جہاد کے چرچے ہند اور بیرون ہند میں تھے۔ امیر امان اللہ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ محمود حسن ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ جمال پاشا گورنر حجاز نے حضرت کے مختصر سے جثہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین اور سیاست بھری ہوئی ہے۔ برطانیہ کے ایک ذمہ دار (سر جیمس مسٹن گورنر یو۔پی نے کہا تھا کہ اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر اڑے گی۔ یہ تو حکمرانوں اور سلاطین کے مقولے ہیں جن سے حضرت اقدس کی سیاسی بصیرت ' جوش عمل اور بغض فی اللہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور ادھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت شیخ کے مربی تھے۔ فرمایا کہ "محمود حسن علم کا کھلا ہے اس جوش جہاد اور غیر معمولی بغض فی اللہ پر احتیاط و تدین کا یہ عالم تھا کہ تحریک خلافت کے دوران جب ترک موالات

کے بارہ میں حضرت سے استفسار کیا گیا تو اپنے تین محبوب ترین شاگردوں (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب اور حضرت مولانا شبیر رحمۃ اللہ علیہ احمد عثمانی ' حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی) کو بلا کر فرمایا کہ بھائی یہ استفتار آیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا جواب آپ لکھ دیں۔ کیونکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کے خلاف کچھ کہو عدل کرو کہ وہی تقوی کے قریب تر ہے۔

اور مجھے انگریزوں سے جس درجہ عداوت و بغض ہے اس کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے۔ کہیں میں ان کے بارہ میں خلاف انصاف کوئی بات نہ لکھ جاؤں۔ جو حضرات دشمنوں کے بارہ میں بھی یہ احتیاط و تدین اور رعایت حدود فرمائیں۔ ان کا تقوی و تقدس دوستوں اور حق کے بارہ میں کیا کچھ نہ ہو گا

بہرحال یہ تھے شیخ الہند اور یہ تھا ان کا ایمان و تقوی اور علم و فضل اور ورع و احتیاط یہ چند باتیں سامنے کی گزری ہوئی ہیں اس لئے زبان قلم پر آگئیں۔ اور وہ بھی بطور تذکرہ عقیدت و محبت ' ورنہ کہاں شیخ کی سوانح حیات اور رفیع حالات اور کہاں ہم جیسے نکارہ۔

روحانی معالج

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بطور تحدیث نعمت فرمایا کرتے تھے کہ

"مجھ کو چونکہ سخت سے سخت حالات پیش آچکے ہیں ۔ اس لئے احوال باطنی کا ایسا تجربہ ہو گیا ہے کہ کسی سالک کی کتنی ہی الجھی ہوئی حالت ہو اور وہ کیسی ہی باطنی پریشانی میں مبتلا ہو۔ بحمد اللہ مجھ کو اس کے معالجہ کے باب میں ذرا بھی تردد لاحق نہیں ہوتا اور بفضلہ تعالی ایسی ایسی تدبیریں ذہن میں آجاتی ہیں کہ ان کے استعمال سے وہ نہایت سہولت اور سرعت کے ساتھ اس حالت سے نکل جاتا ہے۔

بالخصوص داعیہ و خطرات کی تشخیص ماہیت اور تجویز علاج میں تو اللہ تعالی نے مجھ کو ایسی بصیرت عطا فرمادی ہے کہ آج کل کم لوگوں کو ہوگی۔" ولا فخر۔

تربیت خاص

چونکہ حضرت تھانوی کو بھی حق تعالی نے اس منصب جلیلہ پر فائز فرمانا تھا۔ اس لئے آپ کی تربیت خاص کے خصوصی اسباب پیدا کئے گئے۔ آپ کا ایک بزرگ کی دعا اور برکت بشارت سے وجود میں آنا' صالحین کی طرح بچپن گزارنا' غزالی و رازی وقت اساتذہ سے تعلیم پانا' زمانہ طالب علمی میں وعظ و تبلیغ کی مشق فرمانا' اکابر صالحین کا غائبانہ آپ کو مرکز توجہ بنانا' بزرگان دین سے فیوض ظاہری و باطنی حاصل کرنا شیخ العرب والعجم سے روحانی تربیت پانا' قبض و ہیئت کی دشوار گزار وادی سے بخیر و خوبی پار ہو جانا۔ تحریر و تقریر جذب و تاثیر کا پیدا ہونا اور عنداللہ و عندالناس مقبول و محبوب ہونا اس بات کی بین دلیل تھی کہ قدرت نے اس سے مہتم بالشان کام لینا ہے۔

حضرت مولانا صدیق احمد امبیٹھوی

آپ بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں عرصہ دراز تک رہ کر تعلیم حاصل کی اور پھر دارالعلوم ہی میں عرصہ تک درس بھی دیا۔ دارالعلوم سے مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور وہاں ریاست کی طرف سے عہدہ افتاء پر فائز ہوئے۔ مشاہیر اہل افتاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عمر کا آخری حصہ تمام مالیر کوٹلہ میں عہدہ افتاء پر ہی گزرا۔ اور وہیں ۲۸ صفر ۱۳۴۴ھ شب جمعہ کو آپ کی وفات ہوئی۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ صاحب بیعت و ارشاد بزرگوں میں سے تھے جن سے ایک بڑے حلقے نے تربیت باطنی حاصل کی۔ خواجہ فیروز الدین مرحوم اکاؤنٹنٹ جنرل ریاست کپور تھلہ آپ کے مخصوص متوسلین میں سے تھے جو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے ہیں۔ احقر نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد کچھ دنوں آپ سے بھی تربیت باطنی حاصل کی ہے۔

آپ علوم نقلیہ و عقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور آپ کی تدریس میں ایک خاص برکت تھی جو محسوس ہوتی تھی۔ دارالعلوم کے درجات ابتدائیہ کے ممتحن تھے۔ صاحب اسرار و معارف تھے۔ اور اکثر و بیشتر آپ کی تشریف آوری دیوبند کے موقع پر اساتذہ و طلباء آپ کے حلقہ میں بیٹھ کر مستقبل کے بارے میں باتیں پوچھتے تھے۔ اور آپ بطور پیشین گوئی کچھ نہ کچھ فرما دیا کرتے تھے۔ آپ کا تقویٰ و طہارت مسلم اور نمایاں تھا۔ شب بیدار علماء میں سے تھے اور معاصرین میں صاحب اسرار و معارف سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ سے سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھا ہے کہ

"طریق سلوک میں اصل مقصود احسان ہے سو وہ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کو حاصل ہے" اس مکتوب سے آپ کے روحانی مقام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ بالآخر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت بیعت حاصل ہوئی اور سلوک میں مقام عالیہ پر فائز ہوگئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ

آپ دارالعلوم دیو بند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے اکبرین میں سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ سے ملتا ہوا حضرت ابو ایوب انصاری ؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ آپ کے حقیقی ماموں تھے۔ جو دارالعلوم کے اولین صدر المدرسین تھے۔ دارالعلوم دیو بند سے تکمیل عام کے بعد آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اس زمانے میں بھوپال میں مولوی جمال الدین صاحب مدار المہام تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ؒ کو ریاست میں گراں قدر مشاہرے پر جگہ دیں۔ مگر انہوں نے دارالعلوم کو چھوڑنا پسند نہیں فرمایا۔ بعد میں مدار المہام صاحب کے اصرار پر آپ کو وہاں بھیج دیا گیا مگر آپ کا بھوپال میں دل نہیں لگا اور چند ماہ کے بعد آپ حج کے لئے چلے گئے۔ واپسی کے بعد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ؒ نے ان کو بہاول پور بھیج دیا۔ ۱۲۹۷ھ میں انہوں نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا۔ اس موقع پر حضرت گنگوہی قدس سرہ نے جن سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا حضرت حاجی صاحب ؒ مہاجر مکی قدس سرہ کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں۔ آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔ حضرت حاجی صاحب نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے۔ اور سر سے دستار اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اسی کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری خلافت عطا فرمائی۔ بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہی ؒ نے بھی دستخط فرمائے۔ حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ان کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیو بند میں مدرس مقرر کیا گیا۔ ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۵ھ میں ان کو مظاہر العلوم کا ناظم منتخب کیا گیا اور آخری عمر میں ۱۳۴۴ھ میں

بمقصد ہجرت مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے۔ آپ کو اگرچہ تمام علوم متداولہ میں مہارت تامہ حاصل تھی لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اسی شغف کے سبب آپ نے ابو داؤد کی شرح فرمائی جو بذل المجہود کے نام سے پانچ جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ بذل المجہود علم حدیث میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں ۔ بذل المجہود کا آغاز ۱۳۳۵ھ میں سہارن پور میں ہوا تھا اور ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں اختتام کو پہنچا اور اس کے ساتھ آپ کی عمر کا پیانہ بھی لبریز ہو گیا۔ اور ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بمرض فالج مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے جوار میں آسودہ خواب ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ

آپ ۱۲۶۹ھ میں اپنے ننھیال قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے نانا مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہ نفس نفیس آپ کو بسم اللہ پڑھا کر قاعدہ شروع کرایا تھا۔ آپ فطرتاً ذکی و ذہین تھے۔ ۱۲۸۳ھ میں قیام دارالعلوم دیو بند کے بعد آپ اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ دارالعلوم کے قیام کے چھ ماہ بعد جب سہارنپور شہر میں مدرسہ مظاہر العلوم کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی صدر مدرس تجویز ہوئے تو آپ مظاہر العلوم تشریف لائے۔ اگرچہ آپ اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ بہتر نظم و ضبط کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس ذات گرامی کے ہاتھوں مظاہر العلوم کو منازل ترقی طے کرنا ہے وہ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مظاہر العلوم ہی کا مرہون منت اور احسان مند ہو۔ علاوہ ازیں باوجود یہ کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی قربت تھی مگر دیو بند میں آپ کا دل نہ لگا اور آخر کار مظاہر العلوم میں آ کر قلبی سکون و اطمینان سے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مشغول رہے۔ اور حدیث و تفسیر اور فقہ کی اکثر کتب حضرت مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرہ سے پڑھیں اور

۱۲۸۸ھ میں آپ نے درس نظامی سے فراغت پائی۔ پھر پہلے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں مولانا الشیخ احمد وعلان مفتی شافعیہ سے بھی اجازت حدیث حاصل کی اور مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر المجددی النقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حدیث حاصل کی۔

۱۳۱۴ھ میں آپ بطور صدر مدرس مظاہر العلوم منتخب ہوئے اور آپ نے اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ کے لگائے ہوئے باغیچہ کو تمام تر موانع کے باوجود اس جانفشانی اور تندہی سے سینچا کہ جس کا اظہار مظاہر العلوم کا ہر طاق و محراب ہر در و دیوار اور عظیم منتخب اور کمیاب کتب سے بھرپور خزانہ علمی کتب خانہ زبان حال سے کہہ رہا ہے۔

درسیات نظامی اور علوم ادبیات کی تکمیل کے بعد آپ کی فطرت سلیم اس معرفت الہیہ کی جستجو میں تھی جو قال کو حال اور علم کو سراپا عمل بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اس مقصود کے حصول کے لئے آپ کی نظر انتخاب قطب عالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ پر پڑی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کشش اور جذبہ کے لئے یہ چیز بھی سبب ہوئی کہ آپ کے استاذ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرہ کا تمام تر کمالات قدسیہ اور تبحر علمی کے باوجود نیز عمر میں بھی بڑے ہونے کے باوجود عقید تمندانہ حاضر خدمت اقدس ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مقصد عظیم کے حصول کے لئے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب احمد صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے سفارشی خط حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھوا دیا۔ کیونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کا استاد زادہ ہونے کی بناء پر بہت زیادہ احترام فرمایا کرتے تھے۔ آپ وہ خط لے کر آستانہ رشیدیہ پر حاضر ہوئے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی طبع غیور چونکہ اس بات پر جمی ہوئی تھی کہ جب تک طالب کے دل میں سچی طلب نہ ہو اس وقت تک رسمی بیعت بے سود ہے۔ اسی لئے استاذ زادہ کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے اور فرمایا کہ میاں خلیل تم تو خود پیر زادہ ہو تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت ہے۔؟ مگر آپ نے اپنی خداداد ذہانت کا مظاہر کرتے ہوئے جواباً" عرض کیا کہ

" حضرت ! کسی پیرزادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں ہوں۔ میں بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سراپا احتیاج ہوں۔ حضرت والا چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجئے۔ میں تو حضرت والا کا غلام بن چکا۔"

ادھر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ادھر حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بس بس ' بہت اچھا اور فورا" بیعت فرمالیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ایک لطیف روح کے ساتھ آستانہ رشیدیہ سے واپس ہوئے۔ اوقات درس و تدریس کے علاوہ ذکر و اذکار اور اپنے مولی کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے۔ ادائیگی معمولات میں آپ جس عزیمت و استقامت کی طبیعت رکھتے تھے اس کی نظیر شاید مشکل سے ہی مل سکے گی۔ سفر ہو یا حضر' بیٹی یا بیٹے کے انتقال کا وقت ہو یا کوئی اور حادثہ جانکاہ ۔ آپ کے معمولات میں بھی کمی نہ آئی تھی۔ بہتر سال کی عمر تک تمام جسمانی کمزوریوں کے باوجود تراویح میں قرآن پاک خود سناتے رہے۔ اللہ تعالی بہتر جانتے ہیں کہ آپ نے راہ سلوک کو کس ترتیب سے طے کیا۔ شیخ کی طرف سے کیا تعلیم ہوئی اور راہ طریقت کے سفر میں کیا کیا مناظر پیش آئے۔ البتہ آپ نے صرف ایک مرتبہ فرمایا " مجھے نہ زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخرت تک میں سمجھا کہ نسبت سلسلہ کیا چیز ہے۔ بس ایک حالت تھی جو گزر رہی تھی۔"

حتی کہ جب آپ دوسرے حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت اقدس میں تحریر فرمایا۔ " مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے۔" چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی باطنی کیفیت کے مشاہدہ سے نہایت خوش ہوئے اور چھاتی سے لگالیا اور اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھ دی۔ اور حضرت گنگوہی کے نام مبارک باد کا خط اور آپ کے نام خلافت نامہ مزین بمہر آپ کو عطا فرمایا۔ آپ نے یہ گرامی نامے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "مبارک ہو' یہ تو اعلی حضرت کا عطیہ ہے۔"

آپ نے جواب میں فرمایا کہ

"بندہ تو اس لائق کہاں ' یہ تو حضور کی بندہ نوازی ہے اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو۔"

چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالے فرما دیا۔ آپ کے مقام روحانی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ العرب و العجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرمایا تھا کہ

"تم میرے سلسلے کے فخر ہو' مجھے تم سے بہت خوشی اور مسرت ہے۔"

بہرحال آپ کا سلسلہ بہت مقبول ہوا اور آپ نہایت اعلیٰ مقام پر فائز رہے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد عبداللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا فیض الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ' حضرت حافظ فخر الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا عالم میرٹھی مہاجر مدنی اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فضائل و کمالات کی حامل ہستیاں آپ کے خلفاء و تلامذہ میں شامل ہیں۔ یہ احقر ناکارہ بھی آپ کا ادنیٰ خادم ہے۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند میں دو عہدے ہمیشہ ذمہ دارانہ وقیع اور اہم سمجھے جاتے ہیں عہدہ اہتمام اور عہدہ صدارت تدریس اور جس دور میں بھی ان عہدوں پر ان کے مناسب حال شخصیتیں جمع ہو گئی ہیں وہی دارالعلوم کی اعلیٰ ترقی کا دور سمجھا گیا ہے۔ اس ادارہ کا ایک دور تو اس کا قرن اولیٰ ہے جس کی منہاج کی قدر و قیمت کچھ وہی جانتے ہیں جنہوں نے اس دور کو دیکھا ہے یا دیکھنے والوں سے سنا ہے۔ یعنی بانیان دارالعلوم کا زمانہ خیر و برکت' اس کے بارے میں میں نے اپنے بزرگوں اور بالخصوص حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ دارالعلوم پر ایک زمانہ وہ گزرا جس میں مہتمم سے لے کر دربان تک سب صاحب نسبت بزرگ اور ذاکر شاغل لوگ تھے۔ لیکن اس دور کے دیکھنے والے آج موجود نہیں ہیں اس لئے اس دور کی برکات باطنی طور پر جس قدر بھی اس ادارہ میں موثر اور کارفرما ہوں وہ ہیں اور بلاشبہ قطعی ہیں اور آج بھی اس درسگاہ کے لئے روح رواں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر آج اس دور کی شخصیات اور شخصی خصوصیات کا وجود نہیں رہا۔

دوسرا دور اس کا ہو بہو نمونہ اس کا قرن ثانی ہے۔ اس میں بھی وہ پہلے دور کی عینی اور شخصی خصوصیات کتنی بھی کم ہو گئی ہوں لیکن نوعیت بدستور سابق قائم اور کارفرما رہی ۔ اس دور میں بھی صرف اونچے عہدہ دار ہی نہیں بلکہ ماتحت عملہ کے لوگ بھی تقدیس اور برگزیدگی کی جیتی جاگتی تصویریں تھیں۔ میری ابتدائی طالب علمی اور کم عمری کا دور تھا۔ دفاتر دارالعلوم کے محافظ شب حاجی عبداللہ صاحب پڑھے لکھے تو نہ تھے مگر صاحب نسبت بزرگوں میں سے تھے۔ نسب کے لحاظ سے دیوبند کے سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دفتر محاسبی اور کتب خانہ کی شب کی نگرانی ان ہی سے متعلق تھی۔ اس زمانہ میں دفتر محاسبی احاطہ مولسری میں درسگاہ نودرہ سے ملحق بہ جانب جنوب تھا۔ جو آج قرآت کی درسگاہ بنا ہوا ہے۔

حاجی صاحب مرحوم شب کو اس دفتر کے دروازہ سے ملا کر اپنی چارپائی بچھائے بیٹھے رہتے تھے۔ ذکر و شغل کا معمول کبھی قضا نہ ہوتا تھا نماز فجر کی اذان کے لئے گھنٹہ بجانا ان ہی سے متعلق تھا۔ گھنٹہ بجاتے وقت ان کا یہ ایک دوامی معمول تھا کہ جب گھنٹہ بجانے کے لئے موگری اٹھاتے تو پہلے ضرب پر کہتے بسم اللہ ' دوسری ضرب پر کہتے لا الہ الا اللہ اور تیسری ضرب پر آواز بلند کر کے کہتے بول بے گھنٹے "اللہ اکبر" اور چوتھی ضرب پر ذرا الہرا کر یہ شعر پڑھا کرتے۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزار بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گی

یہ واقعہ ہے کہ اس سہانے اور پر سکون وقت میں جو بھی ان کی یہ دردناک آواز اور ضربیں سن لیتا تھا وہ بے روئے نہیں رہتا تھا۔ لامحالہ اس کی آنکھوں سے دو چار آنسو ٹپک پڑتے تھے اور قلب پر ذکر اللہ کی کھلی تاثیر محسوس ہونے لگتی تھی۔ اسی دور میں دارالعلوم کے دربان حاجی محمد اسحاق صاحب (جو قصبہ منگلور کے باشندے اور حضرت قاضی محمد اسماعیل صاحب منگلوری رحمۃ اللہ علیہ کے عزیزوں سے اور خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے) چہرہ وجیہہ نہایت سرخ سپید نورانی' سفید داڑھی خط بھرا ہوا' یہ واقعہ ہے کہ ان کی صورت دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا تھا اور دور سے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ انسانی صورت میں کوئی فرشتہ چلا آرہا ہے۔ دارالعلوم میں ہر آنے والے صادر کی مڈبھیڑ پہلے ان سے ہوتی تھی اور آنے والے پر ان کی پاکیزہ نورانی صورت پھر اخلاق حسنہ سے بھرپور ان کی بات چیت سے یہ اثر پڑتا تھا کہ گویا اس کے گناہ دھل رہے ہیں اور وہ ایک قدسی فضاء میں آکر خود بھی قدسی صفت بن گیا ہے۔ اس پر شب بیداری کا معمول دوامی تھا حتی کہ طلبہ میں سے جو لوگ ان سے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں شب کے دو بجے یا تین بجے اٹھا دیا جائے تو ٹھیک اسی وقت ان کے حجروں پر جا کر انہیں جگا دیتے اور اگر کوئی طالب علم نیند میں بھرا ہوا ان سے جھنجلاتا اور نیند کے غلبہ میں کچھ سخت سست کہہ جاتا تو اس کے ساتھ اور بھی زیادہ پیار اور محبت کا برتاؤ کرتے۔ حتی کہ اس کی خوشامد کر کے اسے شب بیداری پر آمادہ کرتے اور نصیحتیں فرماتے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ جس ادارہ

کے دربان اور نگران دفتر اور بالفاظ دیگر خدمہ کے تقدس و پاکیزگی نفس کا یہ عالم ہو تو اس اونچے ذمہ داروں کے تقدس و برگزیدگی کی نوعیت کیا ہو گی جبکہ ماتحت عملہ عموماً اپنے ذمہ داروں ہی کے اثرات سے متاثر اور ان ہی کے ڈالے ہوئے نقش قدم پر چلنے کا عادی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس دور میں مذکورہ دو عہدے اہتمام اور صدر مدرسی جو ہمیشہ ماتحت عہدے داروں پر علمی و عملی حیثیت سے اثر انداز رہتے چلے آتے ہیں۔ ایسی ہی منتخب شخصیتوں سے پر تھے جن کے زیر اثر دربانوں اور دفتری نگرانوں کو بھی مقدس بننے میں دیر نہیں لگتی تھی۔

اہتمام کے عہدہ پر حضرت مولانا الحاج حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت اقدس قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیو بند فائز تھے اور صدارت و تدریس کے عہدے پر حضرت سیدنا و مرشدنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ فائز تھے۔ یہ دونوں ہستیاں اپنی اپنی نوعیت میں بے نظیر اور اپنے اپنے دائرہ فضل و کمال میں اپنی مثال آپ تھیں۔

ان کے حسن انتخاب کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ ان عہدوں کے لئے ان ہستیوں کا انتخاب و تقرر حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں عمل میں آیا تھا جن کی نگاہ انتخاب صرف عقل و تجربہ فراست ہی پر مبنی نہیں تھی بلکہ الہامی بھی تھی۔ چنانچہ ان دونوں عہدوں کے فرائض و مناصب اور کاموں میں اسی حسن انتخاب کا کھلا اثر نمایاں رہا۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ حافظ صاحب علاوہ اپنی ذاتی خصوصیات کے اپنے نسب اور نسب کے لحاظ سے بھی سربلند اور جماعت دارالعلوم میں واجب الاحترام سمجھے جاتے تھے۔ آپ حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نانوتوی بانی دارالعلوم کے صاحبزادے تھے۔ حضرت نانوتوی کا نکاح دیوبند کے رئیس شیخ کرامت حسین صاحب عثمانی کی بڑی صاحبزادی سے ہوا۔ ابتداء حضرت نانوتوی کے یہاں کئی صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت کے والد ماجد شیخ اسد علی مرحوم کو لڑکے کی بڑی تمنا تھی۔ پانچ چھ لڑکیوں کے بعد ۱۲۷۹ھ میں پہلے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب پیدا ہوئے۔ جب دادا کو لڑکے کے تولد کی اطلاع دی گئی تو خوشی میں گیہوں کی کوٹھی کا منہ کھلوا دیا اور غرباء قصبہ (نانوتہ) میں کافی خیرات تقسیم کی اور خوشی منائی۔

تعلیم و تربیت

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی عمر جب مکتب نشینی کے قابل ہوئی تو قصبہ رام پور کے جو نانوتہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر بجانب سہارنپور ایک قصبہ ہے۔ ایک جید حافظ میاں جی حافظ نور محمد صاحب کے پاس پڑھنے بٹھا دیا۔ نویں سال آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔

حضرت نانوتوی کے حقیقی ماموں زاد بھائی مفتی محمد یٰسین صاحب (جن کو خاص محبت تھی اور وہی حضرت کے کاروبار اور حضرت کے کثیر التعداد مسلمانوں کی ضیافت و مدارت کے ذمہ دار تھے) صاحبزادی سے نویں سال کی عمر میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح کر دیا لیکن رخصتی نہیں کی گئی کیونکہ حضرت حافظ صاحب کی عمر نو سال کی تھی اور ان کی اہلیہ کی عمر سات سال تھی۔ نکاح کے بعد ہی تحصیل علوم کے لئے بیرونی مدارس میں روانہ فرما دیا۔ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مدرسہ قائم کیا تھا۔ وہاں حضرت کے متوسلین اور خدام کی ایک

بڑی تعداد موجود تھی ۔ حضرت کے بڑے داماد مولانا محمد عبداللہ صاحب انیٹھوی (جو بعد میں مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے ناظم دینیات ہوئے) اسی مدرسہ میں تھے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے حضرت نے اپنے صاحبزادے کو اسی مدرسہ میں روانہ فرمایا۔ اس کے بعد اونچی تعلیم کے لئے پھر حضرت حافظ صاحب کو مراد آباد کے مدرسہ قاسم العلوم مسجد شاہی میں بھیجا۔ یہ مدرسہ بھی حضرت ہی نے قائم فرمایا تھا۔ اس زمانہ میں اس مدرسہ کے صدر مدرس حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید و خلیفہ خاص حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جنہیں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد گویا ان کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ حافظ صاحب نے فنون کی متعدد کتابیں حضرت امروہی سے اسی مدرسہ شاہی میں رہ کر پڑھیں۔

اسی دوران میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے صاحبزادے کو خود ہی تعلیم دینے کا خیال پید ہوا اور آپ نے مراد آباد سے حافظ صاحب کو دیو بند بلا لیا۔ حضرت حافظ صاحب مراد آباد سے رخصت ہو رہے تھے تو (حسب روایت حضرت حافظ صاحب) وہ منظر عجیب و غریب تھا کہ مراد آباد کے مدرسین اور بالخصوص حضرت امروہی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اسٹیشن تک پہنچے اور زار زار روتے ہوئے صاجزادے سے فرمایا کہ ہم لوگ آپ کا کوئی حق ادا نہیں کر سکے ہیں ۔ اگر حضرت ہم خدام کے بارہ میں آپ سے کچھ پوچھیں تو آپ خدا کے لئے کلمہ خیر فرما دیں۔ جس پر حضرت حافظ صاحب نے باچشم نم فرمایا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ مجھے گھر سے زیادہ آپ حضرات نے راحت پہنچائی' اولاد کی طرح میری ہر طرح کی ناز برداری کی۔ اگر میں حضرت سے آپ حضرات کی نسبت کلمہ خیر کہوں گا تو وہ خلاف واقع محض آپ کی دلداری کے لئے نہ ہوگا۔ بلکہ حقیقت واقعہ ظاہر کرنے کے لئے ہو گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت اقدس نے صاجزادہ کو تنہائی میں لے جاکر دریافت کیا کہ مراد آباد کے لوگوں نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ عرض کیا کہ انتہائی راحت اور انتہائی ناز برداری کے ساتھ مجھے رکھا۔ فرمایا ' الحمد للہ ' مجھے ان حضرات سے یہی توقع تھی۔

لیکن حضرت کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا۔ سفرحج کی تیاریاں تھیں اور اسی سفر میں مرض وفات شروع ہوا۔ اس لئے جس خصوصی تعلیم کے لئے

صاحبزادہ کو بلایا تھا وہ نہ ہو سکی اور حضرت حافظ صاحب نے مدرسہ دیو بند میں اپنی بقیہ تعلیم پوری کی، متعدد کتابیں اور بالخصوص معقولات و عربیت کی اونچی کتابیں حضرت شیخ الہند سے پڑھیں اور سب سے آخر میں دورہ حدیث گنگوہ پہنچ کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں پورا کیا۔ اور وہیں سے سند حدیث حاصل کی۔

۱۲۹۸ھ میں حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی تو حضرت حافظ صاحب تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں جو حضرت نانوتوی کا ہی قائم فرمودہ تھا تشریف لے گئے اور عرصہ تک وہاں پڑھاتے رہے۔ وہاں سے پھر دیو بند بلائے گئے۔ اور ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیو بند میں مدرس ششم مقرر کئے گئے ہیں۔ عموماً تمام فنون کا درس دیتے تھے لیکن خصوصیت سے مشکوۃ شریف، مختصر المعانی، جلالین شریف، میر زاہد، رسالہ وغیرہ کتابوں کا درس زیادہ مشہور تھا جس کی طرف طلبہ جوق در جوق شوق سے رجوع کرتے تھے۔

عہدہ اہتمام پر تقرر

مدرسہ دیو بند کا اہتمام حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ کے دست حق پرست میں تھا اور حضرت اقدس مولانا نانوتوی قدس سرہ کی حیات میں ہی مہتمم رہے حضرت کے وصال کے بعد بھی عرصہ دراز تک اہتمام کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کے تقدس اور اخلاق بزرگانہ کی وجہ سے تمام کارکنان دارالعلوم ان پر متفق تھے اور نظم اجتماعی اجماعی طور پر چل رہا تھا۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ممدوح نے جب مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت فرمائی تو بعد کے دو اہتماموں کے بعد جو بہت قلیل مدت رہے۔ بالآخر ۱۳۱۳ھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (اس دور میں دارالعلوم کے سرپرست اور پوری جماعت دیو بند کے سید الطائفہ تھے۔ دیو بند تشریف لائے۔ دارالعلوم میں قیام فرمایا۔ باہر سے بعض ذی وجاہت افراد جیسے نواب محمود علی خان صاحب رئیس چھتاری وغیرہ کو بھی دعوت دی اور اہتمام کی باگ ڈور حضرت حافظ صاحب کے سپرد فرمائی جس سے بعض اختلاف جو قصبہ اور مدرسہ کے درمیان پیدا ہو گئے تھے بے اثر ہو گئے اور چند سال کے بعد کینہ منعدم ہو گئے اور دارالعلوم کی جانب میں یکجہتی اور قوت پیدا ہو گئی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نزاعات کے ختم ہونے کی اس کے سوا کوئی صورت میرے دل میں نہیں آتی کہ اہتمام حافظ احمد صاحب کے سپرد کر دیا جائے اور میں نے اس معاملہ کو گیارہ مرتبہ حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا۔ ہر دفعہ مجھے یہی جواب ملا کہ مدرسہ دیو بند کی ترقی حافظ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مقدر ہے۔ ان پر مخالفت کا زور گھٹ گیا اور یہ حضرات بھی آخر کار مایوس یا مطمئن ہو کر مخالفت سے یکسو ہو گئے۔ یہ روایت مجھ سے مولوی محمود صاحب مرحوم رائے پوری نے بیان فرمائی بالآخر حضرت گنگوہی کے اس الہامی مقولہ کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔

حضرت حافظ جی صاحب نے اپنے طبعی جوہروں کے ساتھ دار العلوم کا اہتمام پوری قوت وجاہت اور جرات و استقلال کے ساتھ چلایا۔ جن کے نمایاں اثرات تاریخ دار العلوم میں محفوظ ہیں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دار العلوم کا ترقیاتی دور حضرت ممدوح ہی کا چالیس سالہ دور اہتمام ہے اس دور میں جماعت دیو بند کے تمام اکابر علماء حتیٰ کہ حافظ صاحب کے اساتذہ بھی ان کی نسبت کی وجہ سے ان کے سامنے جھکتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ حضرت ممدوح کے استاد بھی تھے اور حافظ صاحب کا قلب بھی ان کی استادی کی عظمت سے بھرپور تھا۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ جب کبھی حضرت حافظ صاحب اپنی صاحبزادگی اور مخدوم زادگی کے رنگ میں ہوتے اور شیخ الہند آجاتے تو ادھر سے ناز اور ادھر سے نیاز قابل دید ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو نہایت نیاز مندی سے حافظ صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑ لیتے اور پاؤں تک پکڑ لیتے تھے۔ مولوی عزیز احمد صاحب نگینوی مرحوم نے بیان کیا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حافظ احمد کا میرے دل میں اتنا احترام ہے کہ اگر وہ پاخانہ کی کوئی ٹوکری اٹھانے کو بھی مجھ سے کہیں گے تو میں اس کی تعمیل کو اپنی عزت سمجھوں گا۔

حضرت شیخ حضرت حافظ صاحب کے سامنے استاد ہوتے ہوئے بھی ان کی صاحبزادگی کے سبب سے اسی طرح مودب اور نیاز مندانہ بیٹھتے تھے کہ آج مشائخ کے سامنے ان کے مرید و متوسلین بھی وہ شان نیاز اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ ایک معمولی بات تھی کہ جب حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تشریف

لے جاتے اور حضرت شیخ صحن مکان میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہوتے دروازہ کے سامنے کی سڑک کی لمبی مسافت سے جہاں سے حافظ صاحب آتے ہوئے حضرت شیخ کو نظر پڑ جاتے تھے تو حضرت چارپائی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اس وقت تک کھڑے رہتے تھے جب تک کہ حافظ صاحب مکان میں پہنچ کر اپنی جگہ پر بیٹھ نہ جائیں اور ان کے بٹھانے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ حضرت شیخ کرسی منگوا تے اسے اپنے سرہانے بچھاتے جب حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر بیٹھ جاتے تب حضرت چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے ۔ حضرت محمد مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ ' حال صدر المدرسین دارالعلوم نے فرمایا کہ میں بھی ان کرسی لانے والے لوگوں میں سے ہوں اور میں نے بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر کرسی لا کر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بچھائی ہے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریر میں ذکر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مالٹا سے آنے کے بعد حضرت کی مردانہ نشست کے سامنے کے کمرے میں بند کواڑ کھول کر میں اچانک اندر گھسا تو یہ منظر دیکھ کہ دونوں مخدوم زادے ابن قاسم حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن رشید حضرت حکیم مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہی تخت پر ہیں اور حضرت شیخ الہند تخت سے نیچے ان دونوں کے سامنے مودب بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں اور ہاتھ جوڑے ہوئے انتہائی نیاز مندی سے کہہ رہے ہیں کہ میں نے آپ دونوں کا کوئی حق واجب ادا نہیں کیا۔ اب میرے مرنے کا وقت ہے اور دونوں بزرگوں (حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) کو منہ دکھانا ہے تو میں انہیں ان کے صاجزادوں کے بارے میں کیا جواب دوں گا۔؟ تم دونوں کوئی کلمہ تسلی کا میرے لئے کہہ دو کہ میں وہی کلمہ ان بزرگوں کے سامنے کہہ دوں اور قیامت کے دن یہ بزرگ خود تم سے کچھ پوچھیں تو تم بھی کلمہ خیر کہنا کہ یہ ناکارہ خادم ہمارا خادم ہی رہا اور ہم سے الگ نہیں ہوا۔

اللہ اکبر !دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت حکیم صاحب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں لیکن شاگرد اور مرید کے آگے ہاتھ جوڑے ہوئے کون بیٹھے ہیں؟ پیر اور استاد !

اس سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس قلبی عظمت کی حد تک ان کی نسبتوں کی بھی عظمت تھی' غرض ادھر سے ناز تھا اور ادھر سے نیاز تھا۔ اس چیز نے پوری جماعت کو ان کے سامنے جھکا دیا تھا جس سے حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ و رشید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بھی جماعت میں مرکزیت قائم رہی اور اب دلوں میں آئینی طور پر مرکز جماعت حضرت حافظ صاحب تصور کئے جانے لگے جس کا ظہور اندرونی اور بیرونی معاملات میں نمایاں رہتا تھا۔

مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم کا بیان ہے کہ اگر کسی معاملہ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر کا باہم اختلاف رائے ہوتا تو حضرت بے شک آخری فیصلہ حضرت حافظ صاحب پر چھوڑ دیتے اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں جونہی ایک لفظ کہہ دیا تو حضرت شیخ فورا" ادھر جھک جاتے تھے اور بطوع رغبت اسے تسلیم فرمالیتے خواہ ان کی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور اس طرح اختلاف ختم ہو جاتا۔

عظمت و وقار

غرض حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس شفقت کے ساتھ جو نیاز مندی کے رنگ میں ہوتی تھی حضرت حافظ صاحب کی پشت پناہی فرماتے اور وجاہت و جرات ان کی کام کرتی تھی۔ اس کے دیکھنے والے ابھی تک موجود ہیں کہ احاطہ دارلعلوم میں قدم رکھتے تو اساتذہ و تلامذہ میں ایک قسم کا سناٹا محسوس ہوتا اور طلبہ کا تو یہ عالم ہوتا تھا کہ جو جہاں ہوتا وہیں کھڑا کا کھڑا رہ جاتا۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب نے فرمایا کہ دور سے انہیں آتا ہوا دیکھ کر طلباء باہر ہوتے تو حجروں میں گھس جاتے تھے۔

حضرت حافظ صاحب چلتے تو عموما" نیچی نگاہ کرکے چلتے تھے چال میں وقار اور متانت ہوتی تھی ۔ ان کے سامنے پہنچ کر ایک ہیبت محسوس ہوتی تھی۔ صاف گوئی اور ظاہر و باطن کی یکسانی معروف و ممتاز تھی۔ ہر ایک سے بات نہایت صاف ' بیلاگ اور بے جھجک فرماتے تھے۔ سریع الغضب تھے۔ غصہ آتا تو ایک دم آتا اور ایک دم بات کھری کھری فرماتے تھے اور دوسرے کی صفائی پیش کر دینے پر اس

مجلس میں ایک دم فرد ہو جاتا اور اس مغضوب پر بے حد مہربان ہو جاتے اور غیر معمولی شفقت فرماتے۔

غرض طلبہ اور مدرسین سب پر ان کی وجاہت کے اثرات تھے۔ جس کو چار چاند حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے نیاز مندانہ رنگ کی باطنی توجہات و تصرفات اور معنوی قوت و ہمت نے اور ادھر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی سرپرستی اور روحانی اعانت نے لگائے تاآنکہ اس دور میں مدرسہ دارالعلوم بنا۔ اور اس نے مالی اور علمی حیثیت سے نمایاں ترقیاں کیں۔ عمارت کی وسعت ' شعبہ جات کا پھیلاؤ' شاندار اجتماعات ملک میں دارالعلوم کی عمومی روشناسی ' قوم اور حکومت دونوں کا اس سے تاثر وغیرہ اسی دور کی پیداوار ہیں جس سے دارالعلوم ہر جہتی ترقی کرتا ہی چلا گیا۔

کام کے بڑھ جانے پر حضرت حافظ صاحب کی نگاہ انتخاب اپنی نیابت کے لئے مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمہ اللہ پر پڑی۔ حبیب دوراں مانے ہوئے مدبر ' زیرک عالم ربانی ' ادیب اور بافراست بزرگ تھے۔ ان کے تدبر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اب تدبیر و سیاست ان کی تھی ' وجاہت و جرات اور قوت حافظ صاحب کی اور ہمت باطنی اور پشت پناہی حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تھی۔ ان تینوں سروں کے جڑنے سے دارالعلوم نے وہ ترقی کی کہ وہ زمین سے اٹھ کر آسمان تک پہنچ گیا۔

حضرت حافظ صاحب ہی کے دور اہتمام میں دارالحدیث جیسی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور حضرت ممدوح کی طرف سے جونہی اس عمارت کی تجویز کا اعلان شائع کیا گیا ویسے ہی بارش کی طرح چندہ گویا آسمان سے برسنا شروع ہو گیا۔ پھر طلباء کی کثرت ہوئی تو تنگی مکان کی وجہ سے ایک عظیم الشان دارالاقامہ (دارالجدید) کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کے وسط میں مقدس دارالحدیث کی سربفلک عمارت کے لئے بنیادیں کھودی گئیں جس کے بھرنے میں تمام اساتذہ و طلباء اور اکابر دارالعلوم نے مزدوروں کی طرح کام کیا لیکن ان دونوں عمارتوں کی تکمیل حضرت ممدوح کے دور میں نہ ہو سکی جو بعد کے دور اہتمام میں مقدر تھی۔

یادگار جلسہ دستار بندی

دارالعلوم کو یادگار عظیم الشان جلسہ دستار بندی جس میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں نے شرکت کی اور اس کی عظمت و شان کے عجیب و غریب واقعات ہیں جو ایک مستقل ' روداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور اہتمام میں ہوا جس میں تقریباً ایک ہزار فضلاء دارالعلوم کی دستار بندی ہوئی۔ اسی جلسہ میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترقیات دارالعلوم پر مشتمل ایک جامع مانع تحریر پڑھی تھی جس کا عنوان "زریں ماضی و مستقبل" تھا۔ یہ زریں ماضی ان کے ابتدائی دور اہتمام اور اس سے پہلے کے دور اہتمام کی تھی اور زریں مستقبل خود ان کے دور اہتمام کا انتہائی حصہ تھا جس کا ظہور اس تحریر کے بعد ہوا اور ان ہی مرقوم پیش بندیوں کے مطابق ہوا جو اس تحریر میں پیش کی گئیں۔

"دارالعلوم کی ترقی کے لئے جدوجہد"

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترقیات دارالعلوم کے سلسلہ میں بڑے بڑے سفر کئے اور دارالعلوم کے لئے دوامی چندے مقرر کرائے۔ قابل تذکرہ اور یادگار سفر بہاول پور ' بھوپال اور حیدر آباد دکن کے تھے۔ سر آسمان جاہ کے دور صدارت میں بعہد اہتمام حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کی امداد حیدر آباد دکن سے ابتداء صرف سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی حضرت مرحوم نے ایک سفر کیا تو سو کے ڈھائی سو ہوئے اور دوسرا سفر چند سال کے بعد کیا تو ڈھائی سو کے پانچ سو ہوئے اور چند سال کے بعد پھر سفر کیا تو پانچ سو کے ہزار روپے ماہوار ہو گئے۔ جو انقلاب ۴۷ء تک برابر جاری رہے۔ جمہوریہ ہند کے جدید دستور کے تحت ایسی مذہبی امدادوں کی راہیں مسدود ہو گئیں۔

آج کے دور میں سو ' ڈھائی سو ' پانچ سو ' اور ہزار کی مقدار ممکن ہے کہ حقیر دکھائی دے جبکہ روپیہ ڈھائی آنہ کا رہ گیا لیکن یہ اس زمانہ کے سو اور ہزار ہیں جبکہ روپیہ آج کی نسبت آٹھ گنا تھا اور ہزار کے معنی آج کے آٹھ ہزار کے تھے

اندازہ کیا جائے کہ اس کی کیا قدر و قیمت تھی۔ اور اس کے لانے والے کس عظمت کی نگاہ سے دیکھے گئے ہوں گے۔

یہ اس سے واضح ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب بھی سفر دکن سے کامیاب ہو کر واپس آئے تو احاطہ دار العلوم میں خیر مقدم اور مبارک باد کے عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے۔ نظم اور نثر میں کارکنان دار العلوم تشکر و امتنان کا ہدیہ پیش کرتے اور انتہائی قدر دانی کے ساتھ امداد کے ان اضافوں کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ دکن کی امداد میں ایک ہزار روپیہ تک ماہوار پر آجانے پر جب حضرت حافظ صاحب دکن سے دیو بند واپس ہوئے تو درسگاہ نو درہ میں ایک عظیم الشان جلسہ خیر مقدم منعقد ہوا اور اس میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں اور مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ عثمانی نے اردو میں تہنیت و تبریک کے بلیغ قصیدے پڑھے۔ اس موقع پر میں نے بھی ایک اردو قصیدہ لکھ کر سنایا تھا۔

چنانچہ سابقہ روداووں میں ان جلسوں کے تذکرے موجود ہیں۔ آپ کے زمانہ اہتمام میں دو مرتبہ صوبہ یو۔ پی کے لفٹیننٹ گورنر دار العلوم میں آئے۔ پہلی مرتبہ سرلاؤ گن لاٹوش اور دوسری مرتبہ سر جیمس مسٹن اور ہر دو دفعہ میں ان ذمہ داران حکومت کو حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پورے حوصلے کے ساتھ بلا کر دار العلوم کے اہم مرحلے طے کئے۔ پہلی مرتبہ گورنر کے آنے سے وہ نزاعات ختم ہو گئے جو مخالفین دار العلوم نے دار العلوم کے خلاف کھڑے کر دیئے تھے۔ اور جس سے دار العلوم کی عافیت تنگ ہو گئی تھی۔ حتی کہ مقدمہ بازیوں کی نوبت آگئی تھی۔ اور دار العلوم کے ذمہ داروں کو عدالتوں میں کھینچے کھینچے پھرنے کے سامان کر دیئے گئے تھے اور دوسری دفعہ میں دار الحدیث کی مجوزہ اور فی الوقت ...... موجودہ عمارت کے نیچے جو گندہ نالہ بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے نہ یہ عظیم عمارت ہی بن سکتی تھی اور نہ دار العلوم کی آب و ہوا درست رہ سکتی تھی اٹھوا دیا اور دار العلوم کو اپنی تعمیری اور عمارتی ترقیات کے لئے وسیع میدان ہاتھ آگیا چنانچہ اب اسی زمین اور اس کے ملحقہ قطعات میں دار العلوم کی جدید عمارت بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ واقعات اور ان جیسے بہت سے واقعات جو روداد ہائے دار العلوم میں

محفوظ ہیں۔ اس کے شاہد عدل ہیں کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خداداد وجاہت کا اثر حکام پر بھی پڑتا تھا اور اس سے دارالعلوم کے مشکل سے مشکل مہمات کو آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ غرض شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پشت پناہ تھے اور مولانا حبیب الرحمن صاحب آپ کے دانشمند مشیر اور وزیر باتدبیر تھے۔ اور اسی طرح ظاہری و باطنی تقویت کے ساتھ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی وجاہت اور ہمت و جرات بڑے بڑے مشکل مرحلے انجام کو پہنچا رہی تھی۔

مولانا حبیب الرحمان رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تدبیریں تو ہزاروں کر لوں گا مگر حافظ صاحب کی سی وجاہت کہاں سے لاؤں؟ اس لئے جس موقع پر ان کا ترکش تدبیر کے تیروں سے خالی ہو جاتا تھا اور ضرورت پڑتی تھی کہ اب وجاہت و رعب اور حکم سے کام لیا جائے تو وہاں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آگے کر دیتے تھے اور ان کی ہیبت وہ مشکل مرحلہ منٹوں میں حل کر دیتی تھی۔

حضرت مولانا ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کا بیان ہے (اور میں نے دوسرے بزرگوں سے بھی یہ واقعہ سنا ہے) کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مستمر عادت شریف رمضان شریف میں تراویح مدرسہ میں ادا کرنے کی تھی۔ چنانچہ سالہا سال تک میں بھی اپنے بچپن میں یہ معمول دیکھتا رہا۔ مالٹا کی روانگی سے چند سال قبل حضرت نے بعض اعزہ کی فرمائش و اصرار پر دولت خانہ ہی پر تراویح پڑھنے کا ارادہ فرمایا اور مدرسہ میں کہلا بھیجا۔ اس کی سطحی اور ظاہری جدائی سے لوگوں میں اہل مدرسہ کی طرف سے غلط رائے قائم ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے مولانا حبیب الرحمان صاحب نے حضرت حافظ صاحب سے فرمایا کہ اس گتھی کو آپ ہی حل فرمائیں گے۔ اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ آپ حضرت سے صرف اتنا پوچھ لیں کہ حضرت آپ تراویح امسال کہاں پڑھیں گے چنانچہ حافظ صاحب وہاں تشریف لے گئے اور حضرت سے پوچھا۔ حضرت نے اپنی عادت کے مطابق لجاجت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ بھائی حافظ جی میں اب کمزور ہو گیا ہوں۔ رات کو مدرسہ آنا جانا کچھ دشوار سا ہو گیا ہے۔ اس پر حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ آپ تراویح کہاں پڑھیں گے؟ آپ جہاں بھی پڑھیں

ہمیں بھی وہیں پڑھنا ہے آپ کو چھوڑنا نہیں اس پر پھر سماجت کے لہجہ میں فرمایا کہ نہیں تم تراویح مدرسہ ہی میں پڑھو مجھے یہیں مکان پر رہنے دو۔ اس پر حافظ صاحب نے ذرا غصہ اور مایوسی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ بہت اچھا اور اٹھ کر چلے گئے۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تیس چالیس قدم ہی چلے ہوں گے کہ حضرت اٹھے کمرہ میں سے اپنی لاٹھی اٹھائی اور حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ حافظ صاحب گھر میں جا چکے تھے جا کر آواز دی تو حضرت حافظ صاحب کی والدہ ماجدہ خود دروازہ پر تشریف لائیں جن کا حضرت شیخ انتہائی احترام فرماتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب کی والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ محمود حسن، حضرت قاسم کے کیا کئی بیٹے ہیں کہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو پکڑنا ہے، تمہیں شرم کرنا چاہئے۔ اس پر حضرت شیخ نے بہت عاجزی سے فرمایا کہ قصور معاف کر دیجئے، میں تراویح ساتھ ہی پڑھوں گا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کتب خانہ دارالعلوم میں تقسیم اسباق کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب صحیح مسلم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کو دینا چاہتے تھے وہ مانتے نہ تھے اور اسی طرح یہ سبق کسی ایسے مدرس کے پاس جا رہا تھا جس کے پاس نہ جانا چاہئے تھا۔ جب مولانا حبیب الرحمان صاحب کی تفہیم کوئی اثر نہ دکھا سکی تو انہوں نے چپکے سے حضرت حافظ صاحب کے پاس آدمی بھیج دیا کہ وہ بھی کتب خانہ میں تشریف لے آویں۔ اور واقعہ کی صورتحال ان سے کہلا دی۔ حضرت ممدوح اچانک حلقہ مدرسین میں تشریف لے آئے۔ صحیح مسلم کا ذکر آیا تو فرمایا مولوی شبیر یہ کتاب اپنے نام لکھو۔ انہوں نے کچھ عذر بیان کرنا چاہا۔ فرمایا پہلے سبق لکھو پھر بولو۔ انہوں نے آخر کار یہ سبق لکھ دیا اور یہ سبق شروع کر دیا۔

محاسن و اوصاف

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بعض اور بھی اخلاقی خصوصیات ممتاز اور معروف تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں ان کے ظاہر و باطن کی یکسانی تھی وہ اپنی فطری ساخت کے لحاظ سے اس پر قدرت ہی نہیں رکھتے تھے کہ دل میں کچھ رکھیں اور ظاہر کچھ کریں۔ یا مکنونات قلب میں بطور تدبیر ہی کچھ کھولیں اور کچھ

چھپالیں۔ ان کی ہر قلبی کیفیت رنج ہو یا خوشی فوراً چہرہ پر نمایاں ہو جاتی تھی جس کو وہ فطرۃً چھپا ہی نہ سکتے تھے۔ کسی سے خوش ہوتے تو ظاہر و باطن خوش، رنجیدہ ہوتے تو ظاہر و باطن رنجیدہ، خلقۃً طبیعت بے لوث تھی۔ اخلاص اور اعتماد علی اللہ کے مادہ نمایاں رہتا تھا۔

ان کے طریق اہتمام میں بھی رسمی تدبیر یا جوڑ توڑ یا مصلحت اندیشیوں اور دفع الوقتیوں کا نشان نہ تھا۔ معاملہ دو ٹوک صاف صاف اور کھلا ہوا ہوتا تھا جس سے دوست و دشمن یکساں مطمئن رہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ جرائت و حوصلہ ہمہ وقتی تھا۔ نزاعات کے زمانہ میں جبکہ قصبہ دیوبند کے بعض بزرگوں کا دارالعلوم سے اختلاف شدت سے جاری تھا۔ مجلس شوری کا جلسہ منعقد ہوا کسی نے آکر کہا کہ چھتہ کی مسجد کے اس حجرہ پر بھی مخالف حضرات نے قبضہ کرلیا ہے۔ جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جائے رہائش اور مدرسہ کے تصرف میں تھا۔ اور اس پر تالا ڈال دیا گیا ہے۔ ارباب مجلس میں تشویش کے ساتھ بحال قبضہ کی تدابیر پر غور کیا جانے لگا۔ مخالفین کی قوت کے پیش نظر اس سے مایوسی نظر تھی کہ بلا قوت کے قبضہ کیا جا سکے اور قوت مفقود تھی بلکہ مادی قوت زیادہ تر فریق مخالفت کے ہاتھ میں تھی۔ اس غور و فکر کے دوران حضرت حافظ صاحب مجلس سے اٹھے اور اہل مجلس سے فرمایا کہ میں ابھی حاضر ہوا اور سیدھے مسجد چھتہ میں پہنچے جبکہ صحن مسجد مخالف جماعت سے بھرا ہوا تھا کافی خطرہ کا سامان تھا اور اس وقت کی نوعیت یہ تھی کہ جان اور آبرو دونوں ہی خطرات میں گھری ہوئی تھیں۔ حافظ صاحب نے اسی مجمع میں باآواز بلند خطاب کرتے ہوئے مجمع کے صدر نشیں سے کہا کہ حجرہ کی کنجیاں دلوائیے۔ مجمع پر سکوت چھاگیا۔ منٹ بھر کے بعد وہ بزرگ اٹھے اور حجرہ کے تالے میں کنجیاں ڈال کر اپنی جگہ آبیٹھے۔ حضرت حافظ صاحب نے تالا لگا کر کنجی جیب میں رکھی اور مجلس شوری میں لا کر پیش کر دی کہ حجرہ پر قبضہ لے آیا ہوں۔ یہ کنجی حاضر ہے۔ ارباب مجلس اس جرات پر حیران رہ گئے اور کہا کہ اگر آپ اطلاع کرتے جاتے تو ہم کبھی نہ جانے دیتے۔ اسی طرح جرات مندانہ اقدام کے سلسلہ میں نزاعات کے مواقع پر طلبہ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے ہوئے ایک ایک

طالب علم کے لئے سینہ سپر ہو کر پورے پورے مجامع کے سامنے تنہا آجاتے تھے۔ کسی کا خوف یا رعب نہیں مانتے تھے۔ اکثر ایسے مواقع پر یہ جملہ فرماتے کہ کیا تم نے ان کو (طلبہ کو) لاوارث سمجھا ہے جسے ان کے سامنے آنا ہو تو سر پر تو باندھ کر آئے۔ طلبہ کو جہاں بسلسلہ تربیت جزئی امور پر روک ٹوک کرتے اور ڈانٹتے تھے زدوکوب کر دیتے تھے وہیں بے حد شفیق اور مہربان بھی تھے۔ اگر کوئی طالب علم کچھ زیادہ بیمار ہو جاتا تو گھنٹوں اس کے بالین پر بیٹھے ہوئے اسے تسلی دیتے رہتے اس کے علاج کا اہتمام فرماتے اور بعض دفعہ اس کی تکلیف سے دل گیر ہوتے اور روتے۔ گھر آکر بے چینی سے فرماتے کہ آج ہمارا فلاں طالب علم بیمار ہے منہ میں کھانا نہیں چلتا۔ اگر کسی طالب علم کا انتقال ہو جاتا تو اس کے حجرہ کے سامنے چارپائی بچھا کر گھنٹوں بیٹھے رہتے اور اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک کہ اس کا جنازہ تیار ہو کر حجرہ سے چل نہ پڑتا۔ اسی لئے اس دور کے طلبہ ان پر فریفتہ اور ان کے ثنا خواں نظر آتے تھے۔ نظم میں یکسوئی اور قوت ہمہ گیری تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی نسبت ذاتی وجاہت ' جرات و ہمت اور علم و اخلاص کی بناء پر دارالعلوم کے کامیاب ترین سربراہ اور اس کی ترقیات کا محور و مرکز تھے۔ اور پوری جماعت دارالعلوم ان نسبتوں کے سبب ان سے وابستہ اور ان کے سامنے جھکتی تھی۔

"درس و تدریس"

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ممدوح علاوہ نسبت قاسمی کے نسبت طریقت میں بھی اپنی خصوصیات رکھتے تھے۔ آپ رئیس الطائفہ ' حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا جس کے ایک شاہد مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم بھی ہیں کہ حضرت حافظ صاحب کی نسبت صلوتیہ اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس بناء پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مجاز بیعت فرمایا۔ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی تھا مگر بہت کم توجہ ' زیادہ تر نظم دارالعلوم یا پھر حلقہ درس کی طرف مائل تھی۔ وعظ و

تقریر نہایت موثر اور درس نہایت دلنشین ہوتا تھا۔ پورے زمانہ اہتمام میں حضرت ممدوح نے درس کا مشغلہ کبھی ترک نہیں فرمایا۔ مجھے یاد ہے کہ ابتدائی دور میں درس اکثر دارالاہتمام (دارالمشورہ) میں دیتے تھے۔ پھر مسجد میں درس دینے لگے تھے۔ میرے دورہ کے سال میں درس اسی درسگاہ حدیث میں دیا۔ جس میں عام دروس حدیث ہوتے تھے یعنی درسگاہ بالائی جانب شمالی جس میں آج دفتر تعلیمات ہے۔

احقر نے مشکوٰۃ شریف اور صحیح مسلم شریف ان ہی سے پڑھی ہیں بلکہ ان دو سالوں میں یہ کتابیں حضرت ممدوح نے میری ہی وجہ سے لیں ورنہ کئی سال سے بوجہ ضعف و نقاہت درس کا سلسلہ بند تھا۔ درس مشکوٰۃ مسجد مدرسہ میں ہوا اور درس مسلم درسگاہ حدیث میں تفہیم اس درجہ دلنشین تھی کہ میں نے اس دور میں یہ انداز تفہیم دوسرے درسوں میں نہیں دیکھا۔ یہ ایک عام بات تھی اور خود مجھ پر گزری ہوئی بات ہے کہ درس حدیث میں جو تقریر بھی کسی معرکۃ الآراء حدیث پر فرماتے وہ باوجود مفصل ہونے کے اس درجہ دلنشین ہوتی اور ان کے انداز تفہیم سے اس قدر دل میں اتر جاتی کہ اگر طالب علم بھلانے کا قصد بھی کرتا تب بھی وہ شاید اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ تقریر نہایت مرتب مبادی اور مقدمات پر مشتمل نتائج سے لبریز اور ساتھ ہی قلبی تاثرات سے بھرپور ہوتی تھی۔ جو زبان و کلام کے راستے سے دل میں اثرات پیدا کرتی اور بیٹھ بھی جاتی تھی۔ مشکوٰۃ شریف میں جب کتاب الجنائز آئی اور عالم برزخ کے حوادث و واقعات کی روایتیں گزریں تو حضرت ممدوح نے ایسے تاثر اور درد آمیز شوق کے ساتھ ان پر کلام فرمایا۔ کہ گویا عالم برزخ ہماری نگاہوں کے سامنے تھا اور اس وقت دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے شوق کا ایک ایسا غلبہ قلوب میں محسوس ہوتا تھا کہ گویا ہم دنیا میں ہی نہیں۔

درس کا ایک خاص انداز یہ بھی تھا کہ جو اور کسی درس میں نظر نہیں آیا کہ افعال نبوی ﷺ کی جو روایتیں کسی ہیئت عمل پر مشتمل ہوتی تھی انہیں علمی طور پر سمجھا کر پھر ان کی ہیئت عمل کو ادا کر کے بھی دکھلاتے تھے۔ صفت رکوع کی

حدیث آئی تو درس ہی میں رکوع کرکے دکھلایا۔ سجدہ کی آئی تو سجدہ کرکے دکھلایا۔ عقد انامل کی آئی تو انگلیوں سے عقود باندھ کر دکھلائے۔ رنۃ النیاح کی حدیث آئی تو اس رنتی کی آواز بنا کر سنائی اور فرماتے کہ میں نے حدیث کے درس کے وقت یونہی کرتے ہوئے دیکھا تھا اور فرماتے کہ اگر اساتذہ حدیث اور محدثین ہیات عمل کرکے دکھانے کا معمول نہ رکھتے تو آج کسی شعری عمل کی کوئی مطلوب ہیئت تم لوگ محض الفاظ کتاب سے متعین نہیں کر سکتے تھے۔ حدیث پڑھاتے وقت عظمت حدیث کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ و شیوخ کے انتساب کی عظمت و حرمت صرف قول ہی سے فرماتے بلکہ عملی صورتوں سے بھی اسے نمایاں کرنے کی سعی فرماتے تھے۔

جس سال حضرت حافظ صاحب کے یہاں مشکوۃ شریف کے درس میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد مبارک علی صاحب نائب مہتمم صاحب دارالعلوم بھی شریک تھے۔ اس سال مشکوۃ شریف خاص اہتمام سے پڑھائی اور ختم میں بھی خاص اہتمام اختیار فرمایا۔ ختم کے دن حضرت ممدوح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جبہ پہن کر درس کے لئے تشریف لائے۔ جو حضرت نے انہیں بطور سند و تبریک عطا فرمایا تھا مولانا مبارک علی صاحب کا بیان ہے کہ اس دن چہرہ سے غیر معمولی وقار و تمکنت نمایاں تھا۔ اس سال حضرت ممدوح کا درس دارالمشورہ میں ہوا تھا اور غیر معمولی انداز کا تھا۔ نیز ان ہی کا بیان ہے کہ درس میں تقریر نہایت جم کر فرماتے جو عملی وقار و عظمت کے لئے ہوتی۔ حدیث کے معرکۃ الآراء مسائل پر تشبع کلام فرماتے جو حقائق پر مشتمل ہوتا تھا۔

مولانا مبارک علی صاحب نے فرمایا کہ ایک دن ایک معرکۃ الآراء مسئلہ پر پورے چار گھنٹے تقریر فرمائی جو بے نظیر حقائق و معارف پر مشتمل تھی اور تمام طلبہ محو حیرت اور مستغرق تھے۔ اس کے ساتھ اپنے والد ماجد حضرت اقدس مولانا نانوتوی قدس سرہ کی کتب پر غیر معمولی نظر تھی۔ اور حدیث و تفسیر میں حضرت اقدس کی تقریر میں مناسب موقع ذکر فرماتے جس سے اس مسئلہ کا تحقیقی پہلو سامنے آکر مسئلہ اپنی حقیقت سمیت روشن ہو جاتا تھا۔ اور قاسمی حکمت سے خود بخود

مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔ حضرت نانوتوی کے تلامذہ کے بعد حضرت اقدس کی حکمت پر سب سے زیادہ حاوی تین شخصیتیں تھیں۔ ایک حضرت والد ماجد حضرت حافظ صاحب دوسرے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد تیسرے حضر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' اول الذکر کے حفظ کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا کہ حضرت کی کتاب میں یہ مسئلہ کہاں ملے گا تو بے تکلف ان سب کتابوں کے نام معہ صفحہ ورق بتلا دیتے جہاں مسئلہ مذکور ہوتا تھا۔

بہرحال درس میں وہ عالی مضامین نقل فرماتے جس سے حدیث منقول معقول نظر آنے لگتی تھی اور پورا دین عقلی محسوس ہونے لگتا تھا۔ درس میں بہ انداز نہایت متین اور متواضعانہ ہوتا تھا اور وہ طبعی جلال یا تیزی یکسر مبدل بہ شفقت ہو جاتی تھی جو عام حالت میں ایک طبعی انداز تھا۔ بہرحال عملی لائن میں تفہیم بے نظیر، قول کے دائرہ میں، تاثیر ممتاز، تحقیق عالی اور تبیین واضح تر تھی جس نے ان کے درس کو مقبول بنا دیا تھا۔ اگر یہ اہتمام کے جھگڑے ان کے سر نہ ہوتے تو اس وقت ان کی یہ علمی خصوصیت زیادہ سے زیادہ نمایاں اور موثر ثابت ہوتیں اور اس میدان میں ان کی امتیازی شہرت ہوتی لیکن یہ بھی ان ہی اکابر کا کمال تھا کہ انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ علمی میدان میں بھی پیچھے نہ رہے تھے جو کمال استعداد کی دلیل ہے۔ ان تمام علمی و عملی مشغولیتوں کے ساتھ ذکر و فکر کے اشغال بھی پابندی کے ساتھ جاری رکھتے تھے۔ اس کی تاثیر تھی جو کلام میں نمایاں ہوتی تھی۔

حضرت حافظ صاحب کی ایک خاص صفت اعتماد علی اللہ ممتاز تھی۔ کسی بھی موقع پر کیسا بھی حادثہ اور اشکال پیش آتا تو کبھی ہراساں نہ ہوتے بلکہ اسی وقت قلب کی توجہ حق تعالی کی طرف پھر دیتے اور غیر اللہ سے یکدم اتنے بیگانہ ہو جاتے کہ گویا اس سے انہیں کبھی کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔ میری والدہ محترمہ صاحبہ نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شب حضرت ممدوح کو انہوں نے دیکھا کہ سوتے وقت سے جاگ گئے ہیں اور بہت ہی مضمحل اور ضعیف حالت میں ہیں 'میں نے سبب پوچھا تو فرمایا' مجھے ابھی قلب کا شدید دورہ پڑا جس سے میں سمجھا کہ شاید میرا وقت اخیر آچکا

ہے۔ اس پر میری والدہ نے کہا کہ پھر مجھے آواز دے کر جگا کیوں نہ لیا۔ فرمایا معاذ اللہ ایسے وقت میں میں تمہیں جگاتا یا اپنے اللہ کو یاد کرتا۔ میں نے تو اس آن سارے تعلقات سے قلب کو فارغ کر کے صرف حق تعالی کی طرف توجہ کی اور دعاء و استغفار میں مشغول ہو گیا۔

"مرض وفات"

مولانا محمد علی صاحب حیدر آبادی نے فرمایا کہ اخیر سفر حیدر آباد میں جو سفر آخرت بھی تھا جب حضرت ممدوح بحالت مرض حیدر آباد میں تھے اور ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ حالت غیر ہوتی جا رہی ہے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت اجازت ہو تو تار دے کر طیب و طاہر کو دیو بند سے بلا لوں؟ چیں بجبیں ہو کر فرمایا استغفراللہ یہ طیب و طاہر کو بلانے کا وقت ہے یا اللہ کی طرف رجوع کرنے کا ہے۔ اب میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں ' نیز مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر اس مرض وفات میں جب بقصد دیو بند روانگی ہو گئی۔ سیکنڈ کلاس میں ہم چار' پانچ آدمی حضرت ممدوح کے رفیق سفر تھے تو استنجا سے فارغ ہو کر فرمایا کہ مجھے وضو کروا دو ۔ لیٹے لیٹے وضو سے فارغ ہوئے فرمایا کہ میرے کپڑوں پر کوئی دھبہ کسی ناپاکی کا تو نہیں ہے ' ناپاکی سے ملا ئکہ علیہ السلام کو سخت نفرت ہے۔ اور انہیں اذیت ہوتی ہے۔ غرض کہا گیا کہ کپڑے سب پاک ہیں ' آپ اطمینان فرمائیں ۔ اسی پر فرمایا الحمد للہ ' اور پھر فرمایا کہ اچھا اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میری طرف سے ایک خط لکھو ' چنانچہ میں (مولانا محمد علی مرحوم) خط لکھنے بیٹھ گیا اور جو لکھاتے رہے لکھتا رہا۔ اس میں اپنے عجیب و غریب قلبی حالات کا تذکرہ فرمایا۔ آخری جملہ یہ تھا کہ "الحمد للہ میرا قلب ذکر سے' غافل نہیں اور اس میں حق تعالی کی ہر تقدیر پر بخوشدلی راضی ہوں

"یقین محکم"

بہرحال ان کے قلب کی ایک خاص حالت تھی کہ جب کوئی بھی حادثہ پیش آتا تو ہر تعلق اور علاقہ کو چھوڑ کر بلکہ اس سے بیگانہ محض بن کر صرف حق تعالی کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس پر قلبی گہرائیوں سے پورا پورا بھروسہ کر کے ہر غیر

سے اجنبی محض اور ایسے بے واسطہ ہو جاتے جیسے ان لوگوں سے انہیں کبھی کوئی معمولی واسطہ بھی نہ تھا۔ کچھ ایسے ہی احوال ان کی بیماری میں مشاہدہ کئے جاتے تھے ۔ جب بیمار ہوئے تو بعض اوقات تو معمولی سی بیماری اور تکلیف پر بہت زیادہ کراہ اور ہائے ہائے اور اظہار درد و تکلیف ہوتا تھا اور بعض دفعہ بڑی بڑی شدید مرضوں کے حملے ہوئے اور ساکت محض رہتے۔ عرصہ کے بعد پتہ چلتا کہ فلاں بیماری شدید آئی تھی، جو چلی بھی گئی ہے۔ اور کبھی کبھی دوا کا اہتمام فرماتے ورنہ عام حالات میں دوا بالکل نہیں کرتے تھے۔

ایک دن معمولی سی بیماری میں کراہنے کا سلسلہ جاری تھا تو میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ غیر معمولی طور پر یہ کراہنا کہیں توکل رضا بالقضاء کے منافی تو نہیں؟ تو ہنس کر فرمایا' نالائق ہمیں نصیحت کرنے کے لئے بیٹھا ہے اور پھر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ' اور فرمایا کہ میں نے اپنے تین بزرگوں کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ برتا ہے۔ میرے پیرو مرشد حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ میرے والد ماجد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے سرپرست اور مربی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بیماری کے معاملہ میں ان تینوں کے تین حال تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو یہ تھا کہ معمولی سی بیماری بھی آجاتی تو کول کراہ سے مکان سر پر اٹھا لیتے۔ بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت یہ عبدیت کے منافی تو نہیں۔؟ تو فرمایا کہ کیا میں اپنے اللہ کے سامنے بہادر بنوں۔؟ کہ آپ کا ہر ابتلاء اور امتحان برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت ہے۔ اور میں ہر آزمائش کو اٹھا سکتا ہوں۔ فرمایا کہ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ معمولی سی معمولی ابتلاء میں بھی اپنا ضعف اور عجز بے چارگی آدمی ظاہر کردے اور عرض کردے کہ یا اللہ میں تو بہت کمزور اور ضعیف بندہ ہوں مجھ میں تیری آزمائش اٹھانے کی طاقت کہاں۔ یہی عبدیت ہے۔

حضرت والد ماجد مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی بیماری آجاتی تو کسی کو پتہ نہ دیتے۔ اس قدر ضبط و تحمل ہوتا تھا کہ کسی کو بیماری کا احساس بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مہینوں میں اتفاقیہ اگر ضمن کلام میں حضرت ہی کی زبان سے کبھی اظہار ہو گیا تو پتہ چل جاتا تھا کہ کسی شدید مرض کا حملہ ہوا تھا۔

عرض کیا گیا کہ ظاہر ہو جاتا تو کچھ نہ کچھ تدارک اور دفع مرض کی تدبیر ہو سکتی تھی۔ فرمایا' حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آئے اسے تسلیم و رضا کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور گردن جھکا دینی چاہئے کہ "ہرچہ از دوست میرسد کو راست" یہ عبدیت اور فنا ہے کہ کچھ بھی ہو آدمی اف نہ کرے اور معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کر دے' جو کچھ کیے ان سے کیے۔

انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ

جب طبیب مطلق وہ ہے اور بیمار اور اس کی بیماری کا خبیر مطلق بھی وہی ہے تو وہی بندہ کی مصلحت سے واقف ہے۔ اس لئے تفویض مطلق پر عمل کرنا اور تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کرنا ہی مقام عبدیت ہے۔

اور فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حال بیماری میں یہ تھا کہ نہ کولتے نہ کراہتے' نہ ساکت رہتے بلکہ علاج کی طرف زیادہ توجہ ہوتی اور اہتمام ہوتا کہ طبیب کو بلاؤ اور دوا کا انتظام کرو اور پرہیز یہ ہونا چاہئے اور غذا فلاں ہونی چاہئے' اور فرماتے کہ بیماری میں علاج کا اہتمام سنت ہے اور سنت کی پیروی ہی مقام عبدیت ہے کہ آدمی اپنا طبعی جذبہ چھوڑ کر شریعت کے اوامر کی پیروی کرے اور مقام طبیعت سے ہجرت کر کے وطن شریعت میں جا بسے کہ یہی بندگی اور یہی مقام عبودیت کا تقاضا ہے۔ غرض بندگی اور عبدیت کے مختلف پہلو نکلے۔ یہی بندگی اور عبدیت ایک جگہ اظہار ضعف و بے چارگی کے چولہ میں نمایاں ہوئی اور ایک جگہ تفویض اور تسلیم و رضا کی صورت میں ظاہر ہوئی اور ایک جگہ اتباع سنت اور پیروی شریعت کی صورت میں کھلی اور تینوں رنگ بلا شبہ اپنی اپنی جہت سے عبدیت ہی کے ہیں۔

حضرت حافظ صاحب نے یہ تین واقعہ سنا کر فرمایا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو کبھی تو حضرت پیر و مرشد کے حال کی پیروی کرتا ہوں' کبھی اپنے حضرت قبلہ والد ماجد کے حال کی اور کبھی اپنے مربی اور استاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حال کی اور یہ تینوں حال چونکہ عبدیت کے ہیں اس لئے میں کسی حال کی بھی پیروی میں عبدیت و رضا بالقضاء سے الگ نہیں ہوتا۔

یہ کیفیات ان ہی قلوب پر طاری ہو سکتی ہیں جنھوں نے محنتیں کرکے اخلاص للہ کا مقام پیدا کیا ہو اور پوری دنیا کو آخرت کا وسیلہ یقین کرکے مقام رفیع پر پہنچ چکے ہوں۔ وہ اسی کا اثر تھا کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ نے دنیوی لحاظ سے سب کچھ دیا تھا۔ جان بھی اور مال بھی اور مال کے سلسلہ میں جائیداد ' باغ ' مکانات ' سب ہی کچھ تھے اور آخرت میں حیدر آباد کی عدالت عالیہ کے مفتی کی حیثیت سے ایک ہزار روپے ماہوار مشاہرہ بھی تھا' اڑھائی سو روپیہ ماہوار سرکاری منصب بھی تھا جو بہت پہلے سے حیدر آباد سے جاری تھا۔ لیکن روپیہ پیسہ سے لگاؤ کبھی نہیں ہوا۔ نئے سکوں میں جب یہ چوڑی دونی جو چوکور اور گول کونوں کی ہے چلی اور اس کے ساتھ نئی اکنی گول اور جھالر دار کناروں کی چلی تو ان کے چلن سے بہت کافی عرصہ کے بعد ایک دن کسی کے ہاتھ میں یہ نئی دونی اکنی دیکھ کر فرمایا کہ کیا یہ سکہ ہے اور کیا یہ ہندوستان ہی میں چلتا ہے۔؟ اس پر ہم سب ہنسنے لگے تو انہیں اس ہنسی پر حیرت ہوئی۔ جیب میں کبھی نہیں رکھتے تھے اور نہ عام حالات میں پیسہ کو کبھی چھوتے تھے۔ دارالعلوم کی تنخواہ نہ کبھی خود وصول کی نہ انہیں یہ پتہ رہتا تھا کہ کتنی تنخواہ ہے یا زمین یا باغ کی کتنی آمدنی ہے۔ کس طرح ہے اور کون لاتا ہے۔

سخاوت اور فراخدلی کی مثال تھی ' مہمانداری اور مہمان نوازی میں شغف تھا۔ روزانہ دو چار دس مہمان دسترخوان پر ہوتے تھے جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا تو مدرسہ کی چھٹی ہونے پر دروازہ مدرسہ پر کچھ دیر رک جاتے اور اساتذہ میں سے جو گزرتا اسے گھر ساتھ لے آتے اور کھانے میں شریک فرماتے۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور حضرت قبلہ مولانا العلام محمد انور شاہ قدس سرہ کو دس سال تک اپنے سے جدا نہیں ہونے دیا۔ اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے اخلاص اور اعتماد علی اللہ میں راسخ القدم تھے اور دوسری ممتاز اخلاقی قوتیں آپ کی شیوہ ہو گئی تھیں۔

تربیت کی ایک خاص شان تھی جو انتظامی رنگ میں نمایاں ہوتی تھی۔ آنکھ کی گھورسے بہت کام لیتے تھے جس کا اثر قلوب پر پڑتا تھا۔ جزئی جزئی منکرات میں طلبہ پر روک ٹوک فرماتے تھے اور بعض اوقات درسگاہ نور درہ کے سامنے صحن دارالعلوم میں ایسے طلباء کو زدوکوب کراتے اور پھر فہمائش نصیحت فرماتے۔

"اکابر و اسلاف کا ذکر"

مجلس میں زید عمر بکر کا ذکر کاذب نہیں ہوتا بلکہ اکابر و اسلاف کے واقعات بکثرت بیان فرمایا کرتے تھے اور ان کی سیرت و سوانح محفوظ بھی بہت تھی۔ مجلس زیادہ تر بیان احوال و بیان مسائل و دلائل سے معمور ہوتی تھی۔ رمضان شریف میں تراویح کے بعد کی مجلس ایک یادگار مجلس ہوا کرتی تھی جس میں حضرت ممدوح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اساتذہ و طلبہ شریک ہوتے تھے۔ اور اس میں ایمان تازہ کرنے والی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ مجھے جس قدر بھی اکابر کے واقعات محفوظ ہیں زیادہ تر انہیں مجالس کی شرکت کا نتیجہ ہیں۔ مجلسیں کبھی کبھی درسگاہ نودرہ کے سامنے صحن میں اور کبھی احاطہ مسجد میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جبکہ مسجد مدرسہ زیر تعمیر تھی اور آخر میں دارالمشورہ میں ہونے لگی تھیں۔

دارالعلوم کا کام اسی طرح حسن نظام سے چل رہا تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی روانگی حج اور اسی دوران اسیری مالٹا کا مرحلہ پیش آگیا جس میں پانچ سال کی مدت صرف ہو گئی اور واپسی پر پانچ چھ ماہ حیات رہ کر حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے تو یہیں سے دارالعلوم کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اور اب دارالعلوم کی قوت کا مدار و مرکز تنہا حضرت حافظ صاحب ٹھہر گئے اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب ان کے حبیب خاص اور ان کے مخلص معاون ہوئے۔ صدارت تدریس پر علامہ دہر فرید عصر 'یگانہ زمانہ' عالم بے بدل فاضل بے مثل 'محدث وقت' حافظ حدیث حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ متمکن ہوئے جو ان دونوں بزرگوں کے شاگرد اور طبقہ تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت شیخ الہند تو حضرت حافظ صاحب کی غیر معمولی توقیر باوجود خود استاد ہونے کے ان کی مخدوم زادگی کی بناء پر کرتے تھے اور حضرت شاہ صاحب ان کی توقیر و تکریم کے علاوہ اس صاحبزادگی کی عظمت کے خود اپنا استاد ہونے کی حیثیت سے بھی کرتے تھے۔

ادھر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے علم و فضل ' تقوی و تقدس حفظ فہم اور وجاہت و عزت کی بناء پر باوجود شاہ صاحب کے شاگرد ہونے کے استادوں جیسی توقیر سے پیش آتے۔ اس لئے دارالعلوم کی ترقیات میں بجائے کسی کمی کے اور اضافہ ہوا اور اس کے حلقہ اثر کی ہمہ گیری روز افزوں ہوتی رہی۔ حضرت شاہ صاحب اور ان کی اطاعت کو اپنا فخر سمجھتے تھے اور وہ شاہ صاحب کی موجودگی دارالعلوم پر فخر کرتے اور ان کی نگاہوں کو دیکھتے تھے۔ اسی قلبی یگانگت سے دارالعلوم کی عظمت و شان دنیا کی نگاہوں میں پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

"حضرت شاہ صاحب سے تعلق"

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شغف حضرت شاہ صاحب سے اس درجہ بڑھا کہ دارالعلوم کی ترقی کی خاطر حضرت شاہ صاحب کو دس سال تک اپنا مہمان رکھا اور ان کے کھانے کا بار دارالعلوم پر ڈالنا گوارا نہیں فرمایا۔ ان کی ضروریات کی رعایت فرماتے حتی کہ آخر میں حضرت شاہ صاحب کی شادی بھی خود ہی کی اور ان کی اہلیہ محترمہ کو بحیثیت دلہن اپنے یہاں اتارا' ولیمہ کیا اور گھر پر رکھا۔

اس باہمی اعتماد باہمی توقیر و عظمت اور آپس کے خوشگوار تر تعلقات نے دارالعلوم کو بہت آگے بڑھا دیا۔ اور اب اس کے اثرات علمی حلقوں سے گزر کر حکام اور والیان ملک پر بھی پڑنے لگے۔ نواب صاحب بہاول پور نے حضرت حافظ صاحب کو مدعو کیا۔ اور آپ ایک وفد کی صورت میں بہاول پور تشریف لے گئے۔ ریاست نے دارالعلوم کی کافی خدمت کی اور حضرت ممدوح کو نواب صاحب کے دربار سے خلعت عطا ہوا۔ دارالعلوم کی سالانہ امداد بھی جاری ہوئی اور حضرت حافظ صاحب کو دوبارہ خلعت عطا ہوا۔ جس میں مشلح عرب کا بنا ہوا تھا۔ یہ واقعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے زمانہ کا ہے۔

اس کے بعد نواب ڈھاکہ نواب سلیم اللہ خاں صاحب نے ڈھاکہ میں دارالعلوم کا ایک وفد مدعو کیا۔ حضرت حافظ صاحب نے اس کے افراد کی تعیین فرمائی۔ اس میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ (حسن اتفاق

سے اس وقت مدینہ طیبہ سے آئے ہوئے تھے) اور دارالعلوم میں مقیم تھے۔ اور بھی متعدد بزرگ تھے۔ وفد کا کچھ قیام کلکتہ رہااور وہاں کی فضا علم سے سیراب ہوتی رہی' پھر ڈھاکہ پہنچا۔ نواب سلیم اللہ خاں نے ان اکابر کی بہت کچھ آؤ بھگت کی اور ان کے علمی و عملی فیوض سے استفادہ کیا۔

اسی طرح والئی بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم نے حضرت حافظ صاحب کو دعوت دی اور دارالعلوم کی کافی مدد کی۔ ڈھائی سو روپے ماہوار مستقل امداد بھی بھوپال سے جاری ہوئی۔

مسٹر مانٹیگو وزیر ہند جب انگلستان سے ہندوستان آئے تو حضرت حافظ صاحب نے مسلمانوں کے پرسنل لاء کے تحفظ و اجراء کے سلسلہ میں ایک وفد کے ساتھ ان سے دہلی جاکر ملاقات کی اور محکمہ قضاء قائم کرنے پر زور دیا۔ اس وفد میں دیوبند کے متعدد فضلاء ساتھ لئے اور آخر کار اس کا اثر حکومت نے قبول کرتے ہوئے یادداشت مانگی جسے آپ نے پیش فرمایا اور معاملہ عرصہ تک چلتا رہا۔

قیام حیدر آباد

آخر کار ۱۳۴۰ھ میں حضرت حافظ صاحب کی وجاہت و شہرت اور مقبولیت کی بناء پر نظام دکن نے دکن کی عدالت عالیہ کا مفتی مقرر فرمایا اور ایک ہزار روپیہ آپ کی تنخواہ اور وہ بھی اس طرح کہ ڈھائی سو روپیہ ماہوار جو بہت پہلے سے آپ کا وظیفہ سرکار سے جاری تھا۔ اور ملازمت کے بعد جبکہ تنخواہ جاری ہو گئی تھی ۔حسب معمول دکن بند ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن حضور نظام نے ان قوانین سے آپ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ وظیفہ بھی بدستور جاری رکھا۔ آپ کے لئے دو گھوڑوں ایک نہایت ہی شاندار لینڈو سرکاری طور پر مقرر ہوئی۔ جس پر باوردی چوبدار اور سائیس ساتھ دیئے۔ تمام درباروں اور نذر وغیرہ کی پیشکش سے آپ کو مستثنیٰ قرار دیا۔ حتی کہ عدالت عالیہ کے اجلاس کی حاضری سے بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے قیامگاہ پر ہی اجلاس کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت حافظ صاحب کے متعدد مرید و متوسل حیدر آباد میں موجود تھے انہوں

نے آپ کی خدمت کو سرمایہ سعادت سمجھتے ہوئے یہ گوارا نہیں کیا کہ آپ کسی سرکاری کوٹھی میں محبین سے الگ رہ کر قیام فرمائیں۔ اس لئے حضرت حافظ صاحب کے ایک ہونہار مرید جن کو آپ مثل اولاد جانتے تھے نواب عبدالباسط خاں مرحوم نے اپنی عظیم الشان حویلی حضرت مرحوم کے لئے خالی کر دی جس میں قیام گاہ، مہمان خانہ، کتب خانہ اور اجلاس کا ہال مہیا تھا۔ چار برس کامل آپ نے حیدر آباد میں قیام فرمایا اور مسند افتاء کو رونق بخشی اور برسوں کے بڑے بڑے الجھے ہوئے مقدمات کے شرعی طور پر فیصلے ہو فرمائے۔ آپ کے علمی معین حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم دیو بند رہے۔ مفتی عدالت عالیہ ہونے کے ساتھ آپ دارالعلوم دیو بند کے صدر مہتمم بھی رہے اور ضروری امور کی امسلہ رجسٹری کے ذریعہ حیدر آباد بھیجی جاتی تھیں جن کے فیصلے آپ وہاں سے کر کے بھیجتے تھے۔ مجلس شوریٰ نے آپ کی شخصیت ہی کی وجہ سے صدارت اہتمام کا عہدہ قائم کیا اور آپ کو صدر قرار دے کر مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب کو بنایا۔ نیز دیو بند پہنچ کر یہاں جتنا قیام ہوتا تو حیدر آباد عدالت عالیہ کی مسلیں رجسٹری سے یہاں پہنچتی تھیں اور فیصلہ لکھ کر حضرت ممدوح حیدر آباد روانہ فرماتے۔ اکثر فیصلوں کی خوش قلم نقلیں مولانا اشتیاق احمد صاحب صدر الکاتبین شعبہ کتابت دارالعلوم دیو بند تحریر فرمایا کرتے تھے۔ حاصل یہ کہ آپ دارالعلوم اور عدالت عالیہ دکن کی ذمہ داریاں بیک وقت نبھاتے تھے۔ اور حکومت دکن اور ذمہ داران دارالعلوم آپ کے خواہاں تھے۔ حضرت ممدوح نے اس چار سال میں اور پھر دیو بند سے واپس آنے کے بعد دارالعلوم سے تنخواہ نہیں لی اور ایثار سے کام لیا۔

اس زمانہ قیام دکن میں دکنی فضلاء دارالعلوم دیو بند کے لئے آپ کی ذات گرامی مرکز بن گئی ۔ اور وہ مہمانداری کی روایت جو دیو بند میں تھی وہاں بھی بدستور اسی آب و تاب کے ساتھ قائم رہی۔ ہر وقت فضلاء کا اجتماع رہتا۔

حضرت مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم صدر دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد' مولانا محمد علی صاحب مرحوم پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی ' مولانا عبدالمجید صاحب ناظم صبغۃ الاسلام دکن اور دوسرے ملکی و غیر ملکی فضلاء کا جمگھٹا لگا رہتا اور یہ سب احباب اسی طرح جمع رہتے تھے جیسے ایک شفیق باپ کے زیر سایہ اس کے محبوب فرزند جمع ہوں

یہ گھڑیاں نہایت مسرت و خوشی اور سکون کے ساتھ کٹ رہی تھیں کہ حضرت حافظ احب کو ضعف پیری کے سبب کچھ مزمن امراض لاحق ہوئے اور ضعف و اضمحلال ھنے لگا اور دکن کی آب و ہوا ان امراض میں سازگار نہ رہی تو اہل دیو بند ' اکابر رالعلوم اور اہل خاندان کے اصرار پر آپ نے حضور نظام سے خدمات افتاء سے لمدوشی کی درخواست کی۔ کئی ماہ تک حضور نظام نے منظوری نہیں دی لیکن جب ضرت مرحوم نے اپنا ضعف اور نقاہت مشاہدہ کرایا اور ملاقات کرکے ناتوانی اور کمزوری ں تفصیلات ذکر کیں تو تاسف کے ساتھ درخواست قبول فرمائی اور ایک ہزار کا نصف لغ پانچ سو روپیہ ماہوار آپ کی پنشن فرمائی جو تاحیات جاری رہی۔

دیو بند پہنچ کر بھی مرض میں کمی نہ ہوئی ' طبیعت ناتواں ہو چکی تھی۔ ضعف ھتا گیا' حتی کہ دارالعلوم میں آمدورفت بھی گاہ بگاہ ہی رہ گئی۔ اکثر اوقات بستر علالت پر ں گزرنے لگے۔ اپنی جگہ حیدر آباد دکن کے عہدہ افتاء کے لئے آپ نے اپنے حبیب ین رفیق اور نائب اہتمام حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی پیش فرمایا حضور نظام نے قبول فرمالیا اور مولانا مرحوم سات سو روپیہ ماہوار پر حیدر آباد تشریف لے گئے لیکن کل سات ماہ ہی قیام رہا۔ اسی دوران میں دارالعلوم میں کچھ نزاع رونما وئے جن کی تفصیل دارالعلوم کی روداوں میں موجود ہے۔ اور اس کے بعد دارالعلوم ے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ دارالعلوم کے عہدہ صدارت تدریس پر حضرت مولانا سید سین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ متمکن ہوئے۔ ان کی نزاعات سے کافی عرصہ قبل حضرت اقدس مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ نے حضرت حافظ صاحب کو نیاز مندانہ دعوت دی۔ حضرت مرحوم رائے پور تشریف لے گئے۔ حضرت رائے پوری نے غیر معمولی اور خرق عادت تکریم کی حتی کہ تخلیہ میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لئے اور آب دیدہ ہو کر فرمایا' میں اس کہنے پر مامور کیا گیا ہوں کہ حق تعالی نے آپ کی ترقی درجات کے لئے بدگویوں کی بدگوئی کا راستہ تجویز فرمایا ہے وہ جو پیش آنے والا ہے۔ آپ دل تنگ نہ کریں۔ حضرت مرحوم نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ میں حق تعالی کی ہر تقدیر پر دل سے راضی اور شاکر ہوں۔ فرمایا الحمد للہ چنانچہ ایسے فتنے رونما ہوئے جن میں یہ تقدیر پوری ہو گئی۔

"وفات"

۱۳۴۶ھ میں ان اکابر کی روانگی دارالبقاء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت
مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری
اس سلسلہ میں پہل کی۔ اسی دور رحلت و انتقال میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
اپنی وجاہت زندگی کا دورہ پورا کر دیا اور ۳ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو دارالعلوم
خدمات کے سلسلہ میں دارالعلوم پر نثار ہو گئے۔

وفات کی صورت حال یہ ہوئی کہ حضرت مرحوم نے حضور نظام کو دارا
آنے کی دعوت دینے کے لئے حیدر آباد دکن کا سفر کیا اور اکابر دارالعلوم کے مشور
آپ دیوبند سے دکن روانہ ہوئے۔ نواب عبدالباسط خان صاحب مرحوم کی کو
قیام فرمایا۔ حضور نظام سے ملاقات ہوئی۔ ابھی مقصد کے بارے میں سلسلہ گفتگو کا
ملاقات سے آغاز ہی ہوا تھا کہ بواسیر کا دورہ شدید ہوا۔ خون بکثرت آیا اور طبیعت
نڈھال ہو گئی کہ لوگ زندگی سے مایوس ہو گئے تمام مقامی احباب و خدام کا مشور
طے پایا کہ اب جلد سے جلد آپ کو دیوبند پہنچایا جائے چنانچہ سیکنڈ کلاس کا ایک پور
ریزرو کرایا گیا۔ یہ چار خدام و احباب ساتھ ہوئے۔ میر احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' مولا
علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ' حافظ محمود احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ شریف احمد گنگوہی صاحب (
مدرس حفظ القرآن دارالعلوم دیوبند) ریل گاڑی روانہ ہوئی۔ جب
آباد سے تقریباً" اسی میل پہنچی اور نظام آباد اسٹیشن قریب آیا تو رفقاء میں سے مولو
علی صاحب سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (جو اس وقت دارالعلوم کے سرپ
تھے) خط لکھوایا۔ اس میں یہ جملہ خصوصیت سے قلمبند کرایا جیسا کہ عرض کیا جا چکا۔

"الحمد للہ میرا قلب غافل نہیں بلکہ ذاکر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی ہر ... پر دل
راضی ہوں۔"

خط لکھ کر قضاء حاجت سے فراغت پائی اور اپنی سیٹ پر سیدھے لیٹ کر مولا
علی صاحب سے فرمایا کہ چادر ہر طرف سے درست کر دو اور یہ دیکھو کہ میرے کپڑو
نجاست وغیرہ کا اثر تو نہیں ہے کیونکہ ملائکہ علیہ السلام کو بدبو سے اذیت ہوتی۔

سوں نے عرض کیا کہ حضرت کپڑے بالکل صاف ہیں۔ اس کے بعد عقد انامل پر تسبیح
ذکر اللہ شروع کیا۔ ۲۹ کے عدد پر عقد انامل تھا کہ اللہ کے لفظ کے ساتھ روح پرواز
ئی۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ قبض روح کے وقت سب خدام نے ایک تیز قسم
آسمانی رنگ کی چمک محسوس کی جس نے سب کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔ یہ چمک آئی
جوں ہی ختم ہوئی تو قبض روح ہو چکا تھا۔

نظام آباد کے اسٹیشن پر لاش اتاری گئی۔ شہر میں یہ خبر بھی بجلی کی طرح پھیل
ی۔ ہزارہا لوگ نام سن کر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ مسجد اسٹیشن میں غسل دیا گیا۔
زہ تیار ہوا اور ہزاروں مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ حیدر آباد حضور نظام کو اور
متعلقین کو تار دئے گئے۔ وہاں سے حضور نظام کا تار پہنچا کہ مولانا کا جنازہ حیدر آباد
۔ اسی وقت تابوت بنایا گیا۔ کئی من صندل کے' برادہ میں تکفین شدہ لاش ڈھانپی گئی
ر تابوت بند کر دیا گیا۔ ایک لاری میں پر تابوت رکھ کر اگلے دن حیدر آباد پہنچایا گیا۔
ر میں خبر دوڑ گئی اور جوق در جوق لوگوں کا ہجوم شروع ہو گیا۔ ہزاروں انسانوں نے
از جنازہ پڑھی' متعدد نمازیں ہوئیں۔ حضور نظام نے خود اپنے مصارف پر اپنے مخصوص
تیار کردہ قبرستان موسومہ خطہ صالحین میں ۴ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو دفن کرایا۔ حق
عالی درجات بلند فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دار العلوم دیو بند کے سب سے پہلے باضابطہ مفتی بلکہ دار العلوم میں دار الافتاء کا نقطہ آغاز ہیں۔ دار علولم میں دار الافتاء کی منضبط صورت آپ ہی کے وجود باجود سے معرض وجود میں آئی۔ آپ عارف باللہ صاحب درس و تدریس صاحب بیعت و ارشاد اور مربی اخلاق بزرگ تھے۔ آپ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیو بندی قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپ سے دار العلوم کے حلقوں نے ظاہری و باطنی فیوضات و برکات کافی حد تک حاصل کئے۔ افتاء کی خدمات کے ساتھ ساتھ حدیث ' فقہ اور تفسیر کے اونچے اسباق بھی آپ پڑھاتے تھے۔ جلالین شریف میں احقر ناکارہ کو بھی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی کافی پھیلا۔ آپ ہی کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن سے عرب اور افریقہ میں نقشبندیہ طریق کا کافی شیوع ہوا۔ اور سینکڑوں کی اصلاح ہوئی ' ساؤتھ افریقہ اور ایسٹ افریقہ کے لوگ جب حج کے لئے حاضر ہوتے تو اکثر و بیشتر مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو کر جاتے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی تعلیم و تربیت اکابرین دیو بند کی آغوش میں ہوئی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ سے بیشتر کتابیں پڑھیں ' آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ قدس سرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کے قریبی احباب اور دوستوں میں سے تھے۔ اپنے زمانہ کے بڑے عالم و فاضل اور دار العلوم کے بانیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے متعلق روئیداد دار العلوم میں لکھا ہے کہ

دار العلوم دیو بند کی شہرت و مقبولیت چونکہ عام تھی اس وجہ سے دور دراز کے مقامات سے سے استفتاء بکثرت آتے تھے اور صدر مدرسین دار العلوم کو کار تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی تھی کہ بلاحرج تعلیم ان کے جوابات دے سکیں۔ اور دار العلوم جس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا اس کی بناء پر اس کے فرائض میں یہ بات بھی

داخل تھی کہ بعنوان افتاء بھی عوام کی خدمت کی جائے گی۔ اس لئے ابتدائی سالوں میں اساتذہ دارالعلوم بالخصوص عارف باللہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حسب ضرورت و مواقع فتاوی تحریر کرتے رہے۔ لیکن کام کی ذمہ داری نوعیت و اہمیت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ کسی صاحب شخصیت کو باقاعدہ مفتی نامزد کرکے دارال کو مستقل حیثیت میں قائم کیا جائے۔ لہذا ۱۳۱۰ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سرپرست دارالعلوم نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس عظیم منصب اور اہم ذمہ داری کے لئے منتخب فرمایا پھر اس وقت سے ۱۳۴۶ھ یعنی ۳۶ سال تک بدستور بحیثیت مفتی دارالعلوم دیوبند بلکہ مفتی اعظم ہند خدمت افتاء انجام دیتے رہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اٹھارہ سال تک افتاء کی نقل نویسی نہ ہوئی اور ۱۳۲۹ھ سے طلباء نے نقل شروع کی۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں مولانا قاضی مسعود احمد صاحب کا تقرر ہوا جو آپ کے معاون کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت سے رجسٹر میں مستفتی کے سوالات اور ان کے جوابات کی نقل موجود ہے۔ جن کی تعداد مجموعی طور پر اڑتیس ہزار سے زائد بنتی ہے۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے حضرات بھی ہوں گے جن کے فتاوی عجلت کی وجہ سے رجسٹر میں درج نہ ہوئے ہوں۔ نیز ایک مستفتی کئی کئی سوالات ایک کاغذ میں لکھتے ہیں کہ اگر اوسطا" تین سوالات مان لئے جائیں تو فتاوی کی مجموعی تعداد تقریبا" سوا لاکھ ہوتی ہے اور یہ تعداد بھی ان فتاوی کی ہے جو رجسٹر میں درج ہوئے اس سے پہلے کی جب کہ نقل افتاء کا انتظام نہیں تھا اتنی ہی تعداد فرض کرلی جائے تو اس طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتوے کم و بیش ڈھائی لاکھ ہوتے ہیں۔ ان فتاوی کا یہ بے نظیر مجموعہ اور مسائل فقیہ کا یہ بے مثال ذخیرہ عام نظروں سے اوجھل پڑا تھا اس لئے سب سے پہلے آپ کے علمی جانشین اور تلمیذ رشید مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے آپ کے فتاوی بنام عزیز الفتاوی ' شائع کئے تھے جو بہت مختصر اور غالبا" ایک دو سال کے فتاوی کا مجموعہ تھا۔ پھر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کے تمام فتاوی کو جدید ترتیب سے شائع کرنے کا پروگرام بنایا اور اس کام کے لئے مولانا ظفیر الدین صاحب کو مامور کیا۔ انہوں نے غیر معمولی جانفشانی و تندہی سے ترتیب فتاوی کا کام حسن اسلوب سے انجام دیا جس کی نو دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ابھی کام جاری ہے۔

بہر حال حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و فقہی مقام بہت بلند ہے۔ جس کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ کو فن افتاء سے اس قدر مہارت تھی کہ مشکل ترین سوالات پر بھی برجستہ فتاوی تحریر فرما دیتے تھے۔ آپ نے چالیس سال کے قریب دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء کی خدمات جلیلہ انجام دیں۔ یوں تو فتاوی ہر زمانے میں لکھے گئے ہیں مگر فتاوی نویسی کا کمال حضرت مفتی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ یہ کمال جماعت دیو بند میں صرف چند شخصیات کے حصے میں آیا ہے۔ ایک حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور دوسرے حضرت مفتی عزیز الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تیسرے حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور چوتھے مفتی محمد شفیع صاحب ہیں۔ آپ کے فتاوی پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ انور شاہ صاحب جیسے یگانہ روزگار علماء کو اعتماد تھا اور یہ حضرات آپ کی علمی و فقہی شان کے معترف تھے۔ باوجود تبحر علمی اور عظیم الشان فقیہ ہونے کے سادگی و تواضع و انکساری کا پیکر تھے۔ مزاج میں بے حد سادگی تھی۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ باوجود تلامذہ کے اور خدام کی موجودگی کے اپنے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ بلکہ اپنے پڑوسیوں کا سودا سلف بھی بازار سے خرید کر جھولی میں لایا کرتے تھے۔ زہد و تقوی میں بھی کمال درجہ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ نماز وضو کے مسائل بھی کتاب دیکھ کر بتلاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ طریقہ اس وجہ سے اختیار کرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے سہو نہ ہو جائے اور مسئلہ دھوکے میں کہیں غلط نہ بتا دوں۔ کتاب دیکھ کر بتانے میں ذمہ داری میرے اوپر سے اٹھ جاتی ہے اور کتاب والے پر ذمہ داری آجاتی ہے۔ آپ ظاہری و باطنی اشکالات اور شکوک و شبہات میں ہمیشہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اور ان کے قول کو قول فیصل جانتے تھے۔ افتاء کے ساتھ درس کا شغل آخر تک رہا اور حدیث و فقہ اور تفسیر کے اسباق مستقل آپ کے ہاں ہوتے تھے۔ بڑے بڑے علماء و فقہاء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے اور سینکڑوں نے آپ سے صلاح و تربیت حاصل کی ہے۔ حضرت استاذ مکرم علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے تھے جہاں بخاری شریف کا درس دیتے رہے تھے۔ وہاں طبیعت علیل ہو گئی تو دیو بند واپس آگئے اور علاج معالجہ کراتے رہے مگر افاقہ نہ ہوا اور وقت موعود آپہنچا ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء کو شب میں داعی اجل کو

لبیک کہا۔ ۱۰ بجے دن نماز جنازہ حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔ اور گیارہ بجے آپ دارالعلوم کے قبرستان قاسمی میں سپرد خاک کئے گئے حق تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی اولاد میں حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رکن مجلس شوری دارالعلوم دیو بند اور مولانا قاری جلیل الرحمان استاد تجوید دارالعلوم قابل فخر فرزند ہیں۔ اور جید علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مفتی عزیز الرحمان رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی اور دارالعلوم دیو بند کے چھٹے مہتمم تھے۔ حق تعالی نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا۔ آپ کی دانش و تدبیر مشہور زمانہ تھی۔ ادبیات کے ماہر تھے۔ عربی نظم و نثر دونوں پر کمالات قدرت رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے نظم و نسق نے آپ کے تدبر و دانش سے عظیم استفادہ کیا۔ آپ کی اس دانش و بینش اور عظیم علمی شخصیت کی بناء پر حکومت حیدر آباد کا عہدہ افتاء حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ ہی کو تفویض کیا گیا تھا۔ آپ کا حلم ، تواضع ، مروت ، اور تحمل مشہور زمانہ تھا۔ آپ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے نہایت پابند تھے۔ وفات کے دن مجھ سے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ "میرا بارہ ہزار اسم ذات افسوس کہ آج پورا نہیں ہو سکا۔" شب بیدار اور ہمہ وقت مشغول کار رہتے تھے۔ ان کی مجلس پر شکوہ اور مورث طمانیت ہوتی تھی۔ کئی عربی قصیدے اور کئی مفید ترین تصانیف آپ کا ترکہ ہے۔ جو امت کو ملا۔ ان میں "اشاعت اسلام" ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو مقبول خواص و عام ہے۔

۱۳۲۵ھ میں والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مصروفیتوں اور اسفار کے باعث نیز دارالعلوم کو ترقی دینے کے سلسلے میں ایک ایسے لائق اور منتظم، مخلص کی مجلس شوری کو ضرورت پیش آئی جو انتظامی امور اور ترقی کی تجاویز میں حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ بٹا سکے۔ اس کے لئے مجلس کے نزدیک آپ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ چنانچہ انکار کے باوجود آپ کو مجبور کر کے نیابت اہتمام کا منصب سپرد کر دیا گیا۔ دارالعلوم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس کو حضرت مولانا جیسا کام کرنے والا مدبر شخص اور متبحر عالم بیدار مغز منتظم اور مخلص ہاتھ آگیا۔ اہتمام کے کاموں میں ان کو اس قدر شغف تھا کہ شب و روز کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ حتی کہ ان کی سکونت بھی دارالعلوم کے دارالاہتمام ہی میں تھی اور اسی میں وفات ہوئی۔ انہوں نے دارالعلوم کے شعبے انتظام و انصرام کو اتنا منظم اور مستحکم کر دیا تھا کہ جس

حکومت آصفیہ کی جانب سے نواب صدر یار جنگ بہادر دارالعلوم کے حسابات کی تنقیح کے لئے دیو بند آئے تو ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ایک اور دو دو آنے تک کے حسابات کے کاغذات اور رسیدیں باضابطہ طور پر فائل میں موجود تھیں۔ نواب صدر یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ کوئی کاغذ ایسا نہ تھا جو مانگا گیا ہو اور فوراً پیش نہ کر دیا گیا ہو۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عہد اہتمام کی ترقی بلحاظ تدبر و تنظیم درحقیقت آپ ہی کی رفاقت کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے۔ آپ ہمیشہ ان کے دست راست معتمد علیہ اور نائب رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب قدس سرہ کی شخصیت ہر حیثیت سے یگانہ روزگار تسلیم کی جاتی تھی۔ عام خیال ہے کہ اگر آپ کو ملکی سیاست میں بھی اتنا ہی شغف ہوتا جیسا کہ دارالعلوم کے ساتھ تھا تو آپ ہندوستان کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر ثابت ہوتے۔ مطالعے کی کثرت نے آپ کو نہایت وسیع المعلومات بنا دیا تھا۔ حضرت استاذ المکرم علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ۔

"اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمان ہیں۔"

آپ نہایت نحیف الجثہ تھے۔ خوراک حیرت انگیز طور پر کم تھی مگر ضعف اور کمزوری کے باوجود بے پناہ ہمت کے مالک تھے۔ حضرت والا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے ٹھیک چودہ ماہ بعد ۴ رجب المرجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء کی شب میں اس جہان فانی سے رحلت فرمائی اور ہمیشہ کے لئے دارالعلوم کو اپنا مداح چھوڑ گئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

" اللہ تعالی نے حضرت مولانا حبیب الرحمان عثمانی قدس سرہ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے۔ دارالعلوم پر سخت سے سخت وقت آئے۔ بڑی بڑی شورشیں اٹھیں لیکن میں نے اس بندہ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان و خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا۔ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا۔ جس میں بعض لوگ حضرت مولانا کی جان تک کے دشمن ہو گئے۔ ان حالات میں بھی حضرت مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے

تھے۔ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت ! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سو جایا کریں لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی سے ہنس کر فرمایا۔

" میں تو اسی باپ یعنی (سیدنا عثمان غنی) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار آدمی اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔" حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت الاستاذ الاکبر علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند کی مبارک ہستی نہ کسی تعارف کی محتاج ہے نہ کسی تاریخ کی دست نگر' ان کی حقیقی تاریخ ایک پیروں چلتی تاریخ ہے جو ان کے تلامذہ اور ماثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت دائر و سائر نمایاں اور چشم دید رہتی ہے۔ اس امت مرحومہ میں لاکھوں علماء و فضلاء پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار دنیا کے لئے چھوڑ گئے لیکن ایسی ہستیاں معدودے چند ہیں جن کا فیض عالمگیر اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی امت نے استفادہ کیا ہو۔ حضرت امام العصر علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی انہیں مبارک اور معدودے چند ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں کو علم و فضل سے رنگین کر جاتی ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا تو ان کا عمل سلف صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا۔ اور اسوہ سلف کے لئے نمونہ ساز تھا۔ علم' حافظہ' تقوی و طہارت اور زہد و قناعت مثالی تھی۔ علمی حیثیت سے ہم تلامذہ انہیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے اور عملی حیثیت سے جو ہمہ جہت اتباع سنت کے نور میں ڈھلا ہوا تھا۔ اکثر و بیشتر ان کے عمل ہی سے مسائل معلوم کر لیتے تھے اور مسئلہ وہی نکلتا جو ان کا عمل ہوتا تھا۔ ان کے روشن چہرہ پر ایمان کی چمک اس طرح نمایاں تھی کہ غیر مسلم بھی دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ اگر اسلام مجسم صورت میں آتا تو وہ علامہ انور شاہ کی صورت میں ہوتا۔ ہمارے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ "ہمارے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحب کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے۔"

آج سے ستر اسی سال قبل جبکہ حضرت الاستاذ قبلہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ان عمر تھے' مظفر نگر کے ایک جلسہ مناظرہ میں جو مسلمانوں اور آریوں کے درمیان ہوا تھا۔ حضرت علامہ مرحوم بھی دارالعلوم دیو بند کی طرف سے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے ساتھ شرکت جلسہ کے لئے تشریف لے گئے اور اسٹیج پر تشریف فرما تھے تو آریہ مبلغ نے کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ اگر کسی صورت دیکھ کر اسلام

قبول کیا جاتا تو آج بھی مولانا انور شاہ کی صورت دیکھ کر مسلمان ہو جانا چاہئے تھا جن کے چہرے پر ہی اسلام برستا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ درس حدیث کے لئے جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے قیام کے کمرے سے درسگاہ کی طرف چلتے ہوئے نظر آتے تو ہم لوگوں میں ایک دوسرے کو آمد کی اطلاع دینے کے لئے بے ساختہ جو کلمہ زبان زد تھا وہ یہ تھا کہ "جاء الشیخ الثقۃ الامین" جو درحقیقت ان کے ظاہری و باطنی کمالات کی وجہ سے خود بخود قلوب میں وضع ہو گیا تھا۔ درس میں اس وقار سے بیٹھتے جیسے کوئی پر رعب و ہیبت بادشاہ اپنی رعایا کے سامنے تخت نشین ہو۔ کلام نہایت باعظمت، متین اور علمی مواد سے لبریز ہوتا اور نقل و رواۃ کی قسم سے جو بھی دعوی فرماتے اسی وقت کتب متعلقہ کھول کر اس کی عبارت سامنے کر دیتے۔ کتب حدیث کا ڈھیر خصوصیت سے سامنے رکھا ہوا ہوتا تھا۔ درس میں تبحر اور تفقہ دونوں یکساں چلتے تھے۔ درس حدیث فقط فن حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ جمیع علوم و فنون کے حقائق پر مشتمل تھا۔ میں خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر قلمبند کرتا تھا۔ اپنی کاپی کی طوالت عنوانات سے بچانے کے لئے تقریباً" سات کالموں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ہر کالم پر فنون کے عنوان دیئے ہوئے تھے۔ جیسے فن صرف و نحو فن معانی و بلاغت، فن تفسیر و حدیث، فن فقہ و اصول فقہ، فن منطق و فلسفہ اور فن ہیئت و ریاضی اور فن تاریخ وغیرہ کیونکہ اہم مسائل میں ان فنون کے مسائل تقریباً" ہر روز آتے تھے جو مسئلہ جس فن کا ہوتا، میں اسی کالم میں اس کا اندارج کر لیتا اور درس سے اٹھ کر یہ معلوم ہوتا کہ ہم لوگ صرف حدیث ہی پڑھ کر نہیں آئے ہیں بلکہ جمیع فنون متداولہ کا درس لے کر آ رہے ہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

روئیداد دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

" حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیر کے ایک ممتاز علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا سید معظم شاہ صاحب ایک جید عالم دین اور عارف کامل تھے۔ حضرت شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور بے مثل

قوت حافظہ کے مالک تھے۔ آپ ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۴ء میں دیوبند تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مسند صدارت پر متمکن تھے۔ استاد نے شاگرد کو اور شاگرد نے استاد کو پہلی ہی ملاقات میں پہچان لیا۔ تفسیر و حدیث کی کتابیں شروع کیں اور چند ہی سال میں دارالعلوم میں شہرت و مقبولیت کے ساتھ ایک امتیازی شان حاصل کرلی۔ ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سند حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں فرائض تدریس انجام دیئے۔ پھر حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۳۲۷ھ سے دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے رہے۔ ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء کے اواخر میں جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حجاز کا قصد کیا تو اپنی جانشینی کا فخر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بخشا۔ دارالعلوم کی مسند صدارت حدیث پر تقریباً ۱۲ سال تک آپ جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء کے اوائل میں اہتمام دارالعلوم سے بعض اختلافات کے باعث آپ فرائض صدارت سے دست کش ہوکر جنوبی ہند کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔ قدرت کی جانب سے آپ کو حافظہ ایسا عدیم النظیر بخشا گیا تھا کہ ایک مرتبہ دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین و مطالب تو درکنار عبارتیں تک مع صفحات و سطور کے یاد رہتیں۔ اور دوران تقریر میں بے تکلف حوالے پر حوالے دیتے چلے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ جو علوم کے خزانے ان کے دامن جستجو کی وسعتوں کو مطمئن اور تشنگی علم کو سیراب نہ کرسکتے تھے۔ کثرت مطالعہ اور قوت حافظہ کے باعث گویا ایک متحرک و متکلم کتب خانہ تھے۔ صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابیں تقریباً برنوک زبان تھیں۔ تحقیق طلب مسائل میں جن کی جستجو اور تحقیق میں عمریں گزر جاتی ہیں۔ مسائل کے استفسار پر چند لمحوں میں اس قدر جامعیت کے ساتھ جواب دیتے تھے کہ اس موضع پر مسائل کو نہ تو شبہ باقی رہتا تھا اور نہ کتاب دیکھنے کی ضرورت، پھر مزید لطف یہ کہ کتابوں کے ناموں کے ساتھ صفحات و سطور تک کا حوالہ

بھی بتلا دیا جاتا تھا۔ وہ ہر ایک علم و فن پر اسی طرح برجستگی کے ساتھ تقریر فرماتے تھے کہ گویا ان کو یہ تمام علوم مستحضر ہیں اور ابھی ابھی ان کا مطالعہ کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ذوق کا طبیعت پر اس قدر غلبہ تھا کہ عرصے تک نکاح اور متاہلانہ زندگی سے گھبراتے رہے مگر بالآخر بزرگوں کے شدید اصرار سے ۴۳ سال کی عمر میں متاہلانہ زندگی اختیار فرمائی تھی اور اس کے بعد تنخواہ لینے لگے تھے۔ ڈابھیل میں چند سال قیام فرمانے کے بعد آخر میں امراض کی شدت سے مجبور ہو کر دیو بند جس کو آپ نے اپنا وطن اقامت بنا لیا تھا چلے آئے اور یہیں ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ ر ۱۹۳۳ء کو تقریباً" ۶۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مزار مبارک عید گاہ دیو بند کے قریب ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور صدارت تدریس میں ایک ہزار سے زائد طلباء کو درس حدیث پڑھایا جن میں ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا سید بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا شیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبد الرحمان کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا محمد یوسف نبوری رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری ' مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ' مولانا محمد منظور نعمانی ' مولانا محمد میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی وغیرہ

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیو بند کے صدر المدرسین اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ تمام علوم معقولات و منقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اور قوت حافظہ میں یگانہ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا درس حدیث اپنے دور کا مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا۔ آپ کے تبحر علمی نے درس حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا اور آپ کے درس نے نقل و روایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آج بھی نمایاں اور ممتاز علماء اور صاحب طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں جو ہند و پاک میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ۔

کے یہاں رد قادیانیت کا خاص اہتمام تھا۔ اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکتہ الآراء کتابیں خود بھی تصنیف فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیت سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رد قادیانیت تحریک میں عملی حصہ لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ الغرض حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری زندگی تردید قادیانیت میں صرف ہوئی اور انہیں کامل شغف اس فتنہ کبری کے استیصال سے رہا۔ جس سے حضرت شاہ صاحب مرحوم کا بغض فی اللہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ جو محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم المرسلین کا ایک واضح نشان اور ورثہ انبیاء کی کھلی دلیل ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ کے مضامین و مقالات جن کا تعلق تردید قادیانیت سے ہے خصوصاً" مقدمہ بہاول پور میں انہوں نے کئی روز مسلسل رد قادیانیت اور قادیانیوں کے کفر کے اثبات میں جو نہایت پر مغز اور علمی بیانات دیئے تھے جو بد قسمتی سے نایاب تھے۔ اب ان بیانات کے اہم اقتباسات حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا سید انظر شاہ صاحب نے اپنی تالیف "نقش دوام" میں جمع کر دیئے ہیں۔ جن سے قادیانیت کے متعلق اکابر دارالعلوم دیو بند کا نقطہ نظر مدلل طور پر سامنے آگیا ہے اور ساتھ ہی متعلقہ علوم اور اصول و مقاصد دین بھی واشگاف ہو گئے ہیں۔

حضرت مولانا حافظ محمد یٰسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ قصبہ دیوبند کے عثمانی شیوخ میں علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے ہم عصر تھے اور آپ کو دارالعلوم کا قرن اول نصیب ہوا جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دور تھا۔ آپ نے ان حضرات قدسی صفات کے فیوض و برکات سے بہت استفادہ کیا۔ آپ نے انہی بزرگوں کی آغوش میں آنکھ کھولی اور انہیں کے سائے میں پرورش پائی۔ انہی بابرکت اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت پائی۔ اور پھر فراغت تعلیم کے بعد انہی حضرات کی شفقتوں اور عنایتوں کے سایہ رحمت میں دارالعلوم کی تعلیمی خدمات میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت و محبت اور حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا گہرا رنگ حق تعالی نے عطا فرمایا تھا اور یہی ان کی زندگی کا اصل خلاصہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا نے چالیس برس سے زیادہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ فارسی کی انتہائی کتابوں کا درس آپ نہایت شوق اور جانفشانی اور کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے۔ اس درس میں علاوہ اہل شہر اور دیگر طلباء کے بعض عربی تعلیم یافتہ اور فارغ التحصیل علماء بھی شریک ہوتے تھے اور عالمانہ بحث و اشکال پیش کرتے تھے۔ اس طرز پر سکندر نامہ اور قصائد عرفی و بدر چاچ وسہ نثر ظہوری وغیرہ کا درس ایک نہایت شاندار درس ہوتا تھا اور پوری بحث و تحقیق سے تعلیم ہوتی تھی۔ آپ نہایت شفقت اور دلسوزی سے مضامین و مطالب بیان فرما کر پوری طرح طلباء کے ذہن نشین کرا دیتے تھے، حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ کی ایک نمایاں خصوصیت تھی باثر صحبت یا بابرکت یہ بھی تھا کہ طلباء کے قلب میں ابتداء سے حق تعالی اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزین ہو جاتی تھی۔ جس کا پائیدار اثر اس کی دینی و دنیوی اصلاح حال کے لئے آخری زمانہ تک مفید ہوتا تھا اور حضرت مولانا کی پابندی شریعت اور آداب طریقت اور ادائے اعمال و عبادات مستفیدین

کے لئے ایک بہترین نمونہ پیش نظر رہتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت قابل قدر اور بے مثل تعلیم و اصلاح کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ دیو بند میں تعلیم یافتہ لوگوں میں ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں مستفیض نہ ہوں۔ دارالعلوم دیو بند میں مصروفیت تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کو کتب بینی اور تصنیف و تالیف کا بھی کسی قدر شغل ضرور رہتا تھا۔ اس دوران رسائل و اخبارات میں اپنے دین و اصلاحی مضامین اکثر شائع کراتے رہتے تھے اور بعض نظریات باطلہ کی بھی زبردست رد فرمایا کرتے تھے۔

دینی رغبت و شوق نے آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے بیعت و ارشاد اور باقاعدہ ذکر و اشغال کے لئے بے قرار رکھا تھا لیکن شفیق اور ناصح اساتذہ کی تفہیم اس میں عجلت کرنے سے مانع تھی۔ اس لئے تحصیل علم کے بعد اس کا موقع اور وقت آیا۔ اس زمانہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالی نے اہل علم کا مرجع بنا کر رکھا تھا اور متوسلین دارالعلوم اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خاص شفقت مبذول تھی۔ آپ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت اور ان کی تعلیمات اور فیض صحبت سے خصوصی استفادہ کیا۔ آپ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عشق کی حد تک محبت و عقیدت تھی اور انہی کے ارشادات ہدایات کے مطابق زندگی بسر کی اور سلوک و تصوف کے منازل طے کئے۔ ماہ صفر ۱۳۵۵ھ میں رحلت فرمائی۔ حق تعالی درجات عالیہ عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا حکیم عبدالوہاب غازی پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ دلی کے مشہور طبیب، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کے عاشق و مرید، اور علوم دینیہ کے ماہر تھے۔ نابینائی کی حالت میں تحصیل علم کی اور مہارت تامہ پیدا کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہیں کی طالب علمی کے زمانہ میں یورپ کا ایک سیاہ دارالعلوم دیوبند دیکھنے آیا تو اس نے واپس ہو کر یورپ کے اخبارات میں دارالعلوم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ دارالعلوم میں پہنچ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ایک نابینا طالب علم اپنے ساتھیوں کو اقلیدس کا تکرار کرا رہا تھا اور اقلیدس کی مشکل مشکل شکلیں سامنے کے طالب علم کی کمر پر انگلی سے کھینچ کھینچ کر اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ طالب علم یہی حضرت مولانا حکیم عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ بعد تعلیم حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے مستفید ہو کر باطنی کمال پیدا کیا۔ خود مجھ سے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ

"جب میں نے طب پڑھنے کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذریعہ معاش کے طور پر میں نے طب پڑھ لی ہے لیکن اطباء مریض کا چہرہ مہرہ دیکھ کر قارورہ دیکھ کر اور دوسرے مشاہدوں سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں لیکن میں نابینا ان تمام مشاہدات سے معذور ہوں اور چاہتا ہوں کہ معاش اس فن طب سے پیدا کروں۔ اس لئے میرے حق میں دعا فرما دیجئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا' کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نباضی کی مہارت عطا فرمائیں گے اور تم نبض دیکھ کر وہ تمام باتیں معلوم کرلو گے جو دوسرے اطباء مشاہدوں سے معلوم کرتے ہیں۔" یہ قصہ سنا کر فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنے شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کرامت کو روزانہ مشاہدہ کرتا ہوں۔ اور نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مجھ پر مرض اور مریض کے احوال کی تمام نوعتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کی نبض شناسی کی مہارت اس درجہ میں پہنچ چکی تھی کہ باپ یا بھائی کی نبض دیکھ کر بیٹے اور دوسرے بھائی کے احوال مرض بتا دیا کرتے تھے۔ باوجود علمی استحضار کے شغل آخر تک طب مطب ہی کا غالب رہا اور اسی میں پوری عمر گزاری۔ لوگ شفاء بدن کے ساتھ ان کے

تقوی و مہارت اور معمولات کی پابندی اور پختگی سے شفاء روح بھی حاصل کرتے تھے۔
ایک مدت تک آپ نظام دکن کے معالج خصوصی رہے۔ آخر کار ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ وصیت کے مطابق ان کا جنازہ دہلی سے گنگوہ لے جایا گیا اور اپنے شیخ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی شخصیت اور ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات یگانہ روزگار اور

"آفتاب آمد دلیل آفتاب" کی مصداق ہے۔

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شریعت و طریقت کے مجمع البحرین، جامع علم و عرفان اور دینی بصیرت و فقاہت، تقوی و طہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ والا کے علم و فضل اور زہد و تقوی کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حضرت والا تھانوی قدس سرہ بجا طور پر سلف صالحین کے علوم و فیوض کے امین اور وارث تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین و معرفت کی لازوال دولت میسر آئی اور بہت سے تشنگان معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی و شادابی ہوئی۔

معاملات و معاشرت، سیاست عقائد و عبادات غرض کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت والا قدس سرہ کی گراں قدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارہ میں حضرت نے تجدید و اصلاح نہ کی ہو۔ اور اپنی تالیفات و ملفوظات و مواعظ میں ان کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں۔ ہر شعبہ میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف و سلوک، قرآت و مجموعہ، منطق و فلسفہ وغیرہ تمام علوم و فنون میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت کے قدس سرہ کی مجددانہ اور حکیمانہ تحقیقات عصر حاضر کا بے مثال منفردانہ، مصلحانہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔

حضرت والا حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی ذکاوت و ذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے حضرات والا زیادہ مستفید ہوئے ہیں۔ پھر حضرت والا ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ

جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ کانپور میں حضرت والا کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دراز سے طلباء کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ کی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلاً" علی اللہ قیام فرمایا۔ جہاں تادم واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین ' تزکیہ نفس اور تصنیف و تالیف ایسی شاندار اور گراں قدر خدمات انجام دیں جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا جس کا ثبوت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف مواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی و روحانی فیض پہنچا۔ اس کے ساتھ ساتھ بیعت و ارشاد کی راہ سے عوام و خواص کا جتنا بڑا حلقہ حضرت والا سے مستفیض ہوا اس کی مثال بھی کم ہی ملے گی۔ حضرت حکیم الامت کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہند و پاک کے بڑے بڑے صاحب علم و فضل اور اہل کمال و تقوی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ حضرت والا کی ذات اقدس علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب و شاداب ہوتے رہے۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت والا کی عظیم خدمات تقریری و تحریری صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں۔ اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ' عورتوں سے لے کر مردوں تک ' جاہلوں سے لے کر عالموں تک ' عامیوں سے لے کر صوفیوں تک ' درویشوں اور زاہدوں تک ' غریبوں سے لے کر امیروں تک ' ان کی نظر مصروف اصلاح و تربیت رہی۔ پیدائش ' شادی بیاہ ' غمی اور خوشی ' اور دوسری تقریبوں پر اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھوٹا الگ کیا۔ رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ ' تعلیم ' سیاست ' معاشرت ' اخلاق و عبادات اور عقائد میں دین خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی ' اس کی اصلاح کی ' فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجدید فرمائی۔

ان کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی۔ اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس شعبہ کے مطابق بنا دیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ احقر کی عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت والا کے ہاں آتے جاتے گزرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی تفقہ سنجی ' بیدار مغزی ' حکیمانہ تنقیحات ' معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم ان کا وسیع عمیق علم ' ان کی سینکڑوں تصانیف ' ان کی محبت و برکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے بڑے سبق سکھائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفائے کرام ' شریعت و طریقت کے میدان میں ایسی ایسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام ' کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھا۔ حضرت کے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق حضرت نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچا دیا۔ غرضیکہ حضرت والا نے اپنی تحریر ' تعلیم و تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچایا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح فرمائی۔ حضرت والا اور ان کے تلامذہ خلفاء ملک کے ہر ہر خطے میں پھیلے اور ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کرکے وعظ و تبلیغ نہ فرمایا ہو ' تصنیف و تالیف کے ذریعے ہر علم و فن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہزار سے زائد تصانیف ورثہ میں چھوڑیں اور اصلاح و تربیت کا کام اپنے خلفاء و متوسلین کے حوالے کرکے ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیرباد کہا اور حافظ ضامن تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شہید کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا محو آرام ہوئے۔ حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ آپ سابق ناظم جمعیت الانصار تھے اور سکھ مت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ غیر معمولی ذکاوت و ذہانت اور حافظہ کے مالک تھے۔ دماغ منطقی طور پر سیاسی تھا' سیاست میں گہری نظر تھی۔ ابتداء طبعی اور علمی انداز میں اور بعد میں مشاہداتی انداز میں 'یورپ اور ایشیاء کے بہت سے انقلابات آپ کے سامنے گزرے۔ اس لئے سیاسی اسکیموں کی ساخت و پرداخت میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی رومال میں سرگرم حصہ لیا۔ افغانستان کی آزادی کی اسکیم آپ ہی نے مرتب فرمائی تھی۔ ۲۵ سال تک جلاوطن رہے۔ واپس تشریف لا کر فلسفہ ولی اللہی سے ملک کو روشناس کرایا۔ سندھ ساگر اکاڈمی اور محمد قاسم ولی اللہی سوسائٹی قائم کی جس نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی کافی خدمت کی۔ افغانستان میں آپ نے انڈین نیشنل کانگریس کی ایک باضابطہ شاخ قائم کرکے افغانستان کے حق میں ہندوستان کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ آپ کانگریس میں شرکت کے حامی تھے مگر انفرادی حیثیت سے نہیں بلکہ من حیث القوم ' دارالعلوم میں آپ نے جمعیت الانصار قائم کی جس کے بڑے بڑے دو اجلاس مراد آباد اور میرٹھ میں ہوئے اور اس کے حلقہ اثر میں وسعت اور قوت پیدا ہوئی۔ آپ دارالعلوم کو ایک علمی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا نقش اول جمعیت الانصار کا قیام تھا۔ اسی دوران میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ سے آپ کا بعض علمی مسائل میں شدید اختلاف رونما ہوگیا۔ جس کے سبب سے آپ کو دیو بند چھوڑنا پڑا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو دہلی بھیج دیا۔ وہاں آپ نے نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حکیم اجمل خان دہلوی مرحوم اور نواب وقار الملک جیسی مقتدر شخصیتیں شامل تھیں۔ پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور ریاست بہاول پور کے قصبہ

دین پور میں آپ نے زندگی کے آخری لمحات بسر کئے۔ آپ عہد حاضر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفہ کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار تھے۔ قرآن و حدیث فقہ و تصوف سے متعلق علوم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو تجدید فرمائی تھی آپ اس کے شارح تھے۔ ہرچند ان کے بعض افکار و نظریات سے اہل علم و فضل کو اختلاف بھی رہا ہے مگر اختلاف رائے کے باوجود ان کی علمی فضیلت اور سیاسی سوجھ بوجھ کے سب ہی قائل تھے۔ آپ نے ۲۱ اگست ۱۹۴۴ء ر ۱۳۶۳ھ کو دین پور میں وفات پائی۔ افسوس کہ جس ملک کی آزادی کے لئے انہیں ۲۵ سال ہندوستان سے جلاوطن رہ کر مصائب و آلام کی زندگی گزارنی پڑی۔ اس ملک کو اپنی زندگی میں آزاد نہ دیکھ سکے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ آپ نے ۱۳۲۰ھ میں علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۲۱ھ میں جونپور کے مدرسہ میں صدر درس مقرر ہوئے پھر اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی طلبی پر دارالعلوم میں تشریف لائے اور تدریس و تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ ساتھ ہی "القاسم" کے مدیر بھی رہے۔ ابو داؤد شریف کا درس آپ کا مشہور تھا اور برصغیر میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جنہوں نے آپ سے ابو داؤد کا درس حدیث پڑھا ہے۔ آپ علوم قرآن و حدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق تھے۔ آپ کا درس نہایت مختصر مگر جامع ہوتا تھا۔ درسی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور تمام شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔ آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے۔ اتباع سنت کے مجسم پیکر اور حق و صداقت کے علمبردار تھے۔ کم گوئی اور سادگی و انکساری آپ کی بڑی صفت تھی اور پابندی اوقات میں آپ کی ذات ضرب المثل کا درجہ رکھتی تھی۔ ۱۳۵۴ھ میں آپ کی جواں سال صاجزادی کا انتقال ہو گیا تو آپ نے نہایت صبر و شکر کے ساتھ انا للہ پڑھا اور نماز فجر پڑھ کر تجہیز و تکفین کا کام اپنے صاجزادوں کے سپرد کرکے دارالعلوم سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے آئے اور حسب دستور وقت مقررہ تک سبق پڑھایا اور سبق کے بعد طلباء سے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرائی۔ اور جنازہ تیار ہونے پر شریک جنازہ ہو گئے اور جنازے کی نماز حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھوائی۔

آپ کا بیعت و سلوک کا تعلق حضرت شاہ عبداللہ عرف میاں جی منا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا جو اپنے زمانہ کے کاملین میں سے ہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ جس وقت دارالعلوم کی بنیاد میں پہلی اینٹ رکھنے کا مسئلہ آیا تو میں نے کہا کہ پہلی اینٹ وہ

رکھے گا جس کے دل میں کبھی گناہ کا ارادہ بھی نہ ہوا ہو اور فورا" ہی میں نے حضرت منا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کر دیا۔ جس کو سب نے پسند کیا' حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اس قدر استغراق رہتا تھا کہ عزیزوں کو شناخت بھی نہ کر پائے تھے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک داماد اللہ کے بندے تھے جب وہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملنے آتے تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دریافت فرماتے کہ بھائی کون ہو؟ آپ کے داماد کہتے کہ حضرت ! میں اللہ کا بندہ ہوں' حضرت فرماتے کہ "اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں تم اپنا نام بتاؤ" وہ کہتے ' حضرت ! میں آپ کا داماد ہوں میرا نام اللہ کا بندہ ہی ہے۔

بہر حال حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک کے منازل ان ہی بزرگ کی صحبت میں رہ کر طے کئے ہیں۔ پھر اجازت بیعت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے عطا ہوئی بعد ازاں ۱۳۱۰ھ میں حضرت منا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے وصال سے ایک دن قبل آپ کو اجازت و بیعت اور خلافت عنایت فرمائی تھی۔ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں تین حج کئے لیکن ہمیشہ اپنی آمد و روانگی صیغہ راز میں رکھتے تھے۔ ساری عمر درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں بسر کی اور کئی تصانیف "فتاوی احمدیہ" دست غیب ' اذان اور اقامت ' حیات خضر ' فقہ الحدیث ' اور حیات شیخ الہند ' آپ کے علمی مقام کی دلیل ہیں۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ حق تعالی درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ سے سلوک کی تکمیل کی ہے۔ ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو اپنے ساتھ گنگوہ بھی لے گئے تھے۔ جہاں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے شرف بیعت بھی حاصل کیا اور آٹھ نو برس اپنے بھائی کے ساتھ گنگوہ میں قیام کر کے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ۱۳۲۶ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شرکت کے لئے دیوبند پہنچے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی۔ ۱۳۳۴ھ میں حج بیت اللہ کیا اور پھر اپنے بڑے بھائی کی وفات کے بعد بستی نظام الدین دہلی میں مستقل قیام پذیر ہوئے اور توکلا" علی اللہ دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا۔ ساتھ ہی آپ نے شب و روز محنت کر کے علاقے میں بہت سے مکتب قائم کئے اور گشت کے ذریعے عمومی دعوت و تبلیغ کا منصوبہ بنایا جو آہستہ آہستہ نہایت کامیابی سے پھیلنے لگا اور چند برسوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلوص کی برکت سے ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ تبلیغی جماعتیں مختلف علاقوں اور شہروں میں بھیجی جانے لگیں اور پھر پورے برصغیر میں اصلاح و تبلیغ کا کام بڑی باقاعدگی سے ہونے لگا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خاموشی کے ساتھ صرف اپنے مخلصانہ سادہ طریق اور صحیح اصول دعوت کے ذریعے پچیس برس کی انتھک محنت میں میواتیوں کو ان خالص اور مخلص مسلمانوں کی صورت میں بدل دیا۔ جن کے ظاہر و باطن پر خاندانی مسلمانوں کو بھی رشک آتا ہے۔"

بہرحال آپ آخر عمر تک انتھک کوششوں کے ذریعے جس دعوت کو لے کر اٹھے تھے اس میں کامیاب ہوئے اور ہزاروں ایسے افراد پیدا کر دیئے جو آپ کے بعد آپ کی دعوت کو آپ کے نشان راہ پر چلا سکیں۔

آپ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور بہت ضعیف و نحیف تھے۔ متبع سنت اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ آپ ۱۳۶۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم امیر جماعت بنے اور پورے انہماک اور محنت سے اپنے والد مکرم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تبلیغی و اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمد تلمیذ رشید تھے۔ ابتدا" حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کاموں میں شریک ہوتے رہے اور اخلاقی استفادہ کیا پھر حضرت کے سیاسی منصوبوں میں شریک ہوئے اور آخر کار حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے امین اور راز دار رفقاء میں شمار ہوئے۔ ریشمی خطوط کو حجاز سے لے کر آپ ہی روانہ ہوتے تھے اور برطانوی حکام کی انتہائی کوشش کے باوجود ان کے قبضہ میں نہ آسکے اور بمبئی سے پشاور تک مخفی سفر کیا۔ ہندوستان کی سرحد پار کرکے افغانستان میں داخل ہو گئے اور ریشمی خط اپنے موقع پر پہنچا دیا۔ کابل کا انقلاب آپ کے سامنے ہوا۔ بچہ سقہ کی چند روزہ حکومت میں آپ کو کابل سے بھی جلاوطن کر دیئے جانے کا آرڈر دیا گیا اور آپ کسی نہ کسی طرح کابل سے روپوشی کے ساتھ روس کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اس عرصہ میں افغانستان میں انقلاب ہو گیا اور جنرل نادر شاہ حکمران ہو گئے۔ انہوں نے مولانا کو عقیدت کے ساتھ پھر بلایا اور روسی سفارت خانہ میں بحیثیت نائب سفیر آپ کو روس بھیجا گیا وہاں سے واپسی پر مستقلا" آپ کابل میں مقیم ہوئے۔ ۱۳۵۸ھ میں مجھے آپ نے بحیثیت مہتمم دارالعلوم دعوت دی اور مجلس شوریٰ نے اس دعوت کو بکمال خوشی قبول کرتے ہوئے مجھے بطور نمائندہ دارالعلوم، افغانستان بھیجا تاکہ میں امیر نادر شاہ کی وفات پر تعزیت اور موجودہ بادشاہ افغانستان امیر ظاہر شاہ کی تخت نشینی پر تہنیت پیش کروں۔

افغانستان میں آپ کا علمی اور سیاسی وقار قوم اور حکومت یکساں طور پر مانتی تھی۔ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کا جذبہ اور فیصلہ یہ تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہوتے ہی وہ مولانا منصور رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان لائیں گے لیکن آزادی ہند سے چند ماہ پیشتر ۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء مطابق ۴ صفر ۱۳۶۵ھ کو مولانا کا وصال ہو گیا۔ اناللہ، مولانا حامد الانصاری غازی سابق ایڈیٹر اخبار "مدینہ بجنور" جو ہندوستان کی صحافت میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں وہ انہی مولانا منصور انصاری کے بڑے صاحبزادے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علم مستحضر تھا اور بڑا متبحر علم تھا۔ علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا' منطق و فلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ حکمت قاسمیہ کے بہترین شارح تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مسجد فتح پوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے پھر دارالعلوم میں بحیثیت استاذ حدیث بلائے گئے۔ اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے کام کیا اور اپنے آخری دور میں چند سال دارالعلوم دیوبند کے صدر و مہتمم بھی رہے۔ صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمت قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری فوائد جو حضرت علامہ نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے۔ آپ نے پایہ تکمیل کو پہنچائے۔ بے مثال خطیب تھے اور خطابت میں قاسمی علوم بکثرت بیان فرماتے تھے۔ تحریر و تقریر میں ان ہی علوم کا غلبہ تھا۔ سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا۔ ملکی معاملات کے اتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا اور اس بارے میں بچی تلی رائے قائم کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے۔ جمعیت علماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہو گئے اور جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی۔ جمعیت علماء اسلام کے ارکان علماء کرام نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا اور سرحد و سلہٹ ریفرنڈم میں اہم کردار ادا کیا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان پہنچ کر ترک وطن کر دیا اور پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قرارداد مقاصد پاس کرائی' وہاں کی قوم نے آپ کو شیخ الاسلام پاکستان کے لقب سے یاد کیا۔

حق تعالیٰ نے حضرت علامہ کو علم و فضل کا ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا لیکن

ں کے ساتھ عجز و انکساری اور بزرگوں کا ادب و احترام ان کے خاص اوصاف
ں۔ اہل علم کے قدر دان اور خلوص کا مجسمہ تھے اور نہایت صاف و شفاف قلب
ے مالک تھے۔ غرباء و مساکین سے نہایت شفقت و محبت اور اخلاق کریمانہ کا برتاؤ
رماتے تھے۔ اخلاقی طور پر آپ میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ جو بہت ہی اونچا تھا
لہ ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی وہ اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا ان کے
خلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ اگر کسی سے خوش ہیں تو ظاہر و باطن میں
ش اور ناخوش ہیں تو علانیہ اس کا اظہار ان کے چہرے سے ہو جاتا تھا اور کہہ بھی
یتے تھے۔ دارالعلوم دیو بند کے معاملات میں اگر ذمہ داروں سے انہیں کوئی گرانی
یش آتی اور حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیو بند
ان کے بڑے بھائی بھی تھے رنجش ہو جاتی تو اکثر روٹھ کر بیٹھ جاتے یا سفر میں چلے
اتے۔ انہیں منانے اور راضی کرکے لانے کے لئے اکثر میں مامور ہو جاتا تھا کیونکہ
پ مجھ پر شفقت زیادہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ خفا ہو کر تھانہ بھون تشریف لے گئے
؛ یہ احقر وہاں گیا اور راضی کرکے لے آیا۔ ایک دفعہ ناخوش ہو کر گھر بیٹھ رہے
ور مدرسہ میں آنا جانا ترک کر دیا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
طے فرمایا کہ تو ہی جا کر لا سکتا ہے۔ میں حاضر ہوا' اور عرض معروض کی تو راضی ہو
ئے ' اور دارالعلوم میں چلے آئے۔ طبیعت اس قدر صاف تھی کہ جس وقت بھی
ت ان کے ذہن میں آجاتی تھی تو اسی لمحے گرانی رفع ہو کر حقیقتاً" بشاشت چہرے
نمودار ہو جاتی اور ایسے خوش اور منفرح ہو جاتے کہ گویا گرانی ہی نہیں۔ ایک
الم دین کے لئے یہ وصف ایک عظیم مقام ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور بہ
تکلف نہیں بلکہ تصنع و بناوٹ اس کی قلبی رفتار ہی ہو۔

حضرت علامہ کا ایک وصف یہ بھی میں نے بارہا دیکھا کہ ان کے بڑوں نے
ر بھری مجلس میں بھی انہیں تہدید آمیز لہجے سے کوئی بات کہی تو کبھی اف نہیں
رتے تھے۔ اگر بات ان کے نزدیک قابل تسلیم نہ بھی ہوتی تب بھی اپنے اکابر کے
قوق کی رعایت روا فرماتے تھے۔ قلبی جذبات کو بالکل صفائی سے کہہ ڈالتے تھے۔
اہ وہ اپنی ہی کمزوری ہو۔ ایک بار ناخوش ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ میں حسب معمول

منانے کے لئے گیا تو غصے کے لہجے میں فرمایا' بھائی حبیب نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے
اس طرح مجھ سے قطع نظر کرلی تو سن لو کہ اس قطع نظر کرنے پر میرے دل
دو طرح کے جذبات پیدا ہوئے۔ ایک جذبہ نفسانیت سے اور ایک للہیت سے
نفسانیت سے تو یہ کہ اگر انہوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے تو انہیں میں اپنی زند
باور کراؤں اور اس کا یہ طریقہ ہوتا جو انہیں میری زندگی سمجھوا دیتا اور دوسرا جذ
للّٰہیت سے پیدا ہوا۔ وہ یہ کہ میں دیوبند سے کہیں باہر جاکر صحیح مسلم کی شرح لک
میں لگ جاؤں۔ میری طرف سے کچھ بھی ہوتا رہے' نہ میں یہاں رہوں گا نہ
روز روز کی کوفت اٹھانا پڑے گی۔ میں نے کہا کہ حضرت ! ان دونوں جذبوں
سے کون سے کو آپ نے ترجیح دی ہے۔ فرمایا' للہیت والے جذبے کو' میں نے
الحمدللہ' مگر میں نے پھر کہا کہ حضرت ! آپ کے لئے تو اس میں بلاشبہ اجر ہے
یہ نیت یقیناً" پاک ہے مگر اس پر تو دھیان فرمایئے کہ کیا اس قسم کی چھوٹی چھوٹی
ناگواریوں سے جماعتی کام کا ترک کر دیا جانا مناسب ہو گا جبکہ کاموں کا دارومدار
آپ ہی جیسے حضرات کے اوپر ہے۔ اگر اسی طرح کل کو جماعت کے دوسر
بزرگ بھی ایسی ہی وقتی اور ہنگامی ناگواریوں کے سبب جو کبھی نہ کبھی آپ کی طر
سے اس میں پیش آجاتی ہیں۔ یہی فیصلے کرلیں کہ ہمیں کام چھوڑ دینا چاہئے
فرمایئے کہ یہ کام آخر کس طرح چلے اور اسے کون سنبھالے گا۔ میرے نزدیک
آپ نے یہ اپنے کو یکسو کرنے کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اس جماعتی کام کو ختم کر د
فیصلہ فرمایا ہے' کیا یہ مناسب ہے۔؟

بس اتنا سن کر اک دم چہرے پر بشاشت آگئی اور فرمایا' ہاں یہ تو نے
کہا' بس اب میں نے دوسرا جذبہ بھی دل سے نکال دیا اور کل سے دارالعلوم
کر کام کروں گا۔

چنانچہ علی الصباح حسب وعدہ تشریف لے آئے اور ایسے انداز سے آ
کہ گویا کوئی بات پیش ہی نہیں آئی تھی۔ یہ درحقیقت وہی ظاہر و باطن کی یکسانی
قلب کی صفائی' اور حق پسندی کا یہ اثر تھا کہ دل میں کبھی کچھ نہیں رکھتے
بہرحال علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا جس نے ان کی

دلوں میں بٹھا دی تھی۔ قلبی طور پر استغناء اور ناز کی کیفیت کا غلبہ زیادہ تھا۔ کام کے سلسلے میں جب تک دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہ ہوتی تھی متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان جو میرے رفیق قدیم ہیں اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے معتمد علیہ تلامذہ اور رفقاء کار میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل کے پہاڑ تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو بہت سے اوصاف و کمالات سے نوازا تھا۔ عرصہ دراز تک آپ دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے اور آخر میں دارالعلوم کے صدر مہتمم کی حیثیت سے کام کیا اور دارالعلوم نے نمایاں ترقی کی۔ تفسیر عثمانی، صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم، آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں جو آپ کے علمی کمال کی دلیل ہیں۔ حضرت علامہ نے صحیح مسلم پر اپنی شہرہ آفاق "فتح الملہم" جب تالیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے کر گئے تھے وہاں روضہ اقدس' الملہم کے سامنے بیٹھ کر مسجد نبوی میں اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضہ اقدس پر بھی اور حرم مکہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر حضرت علامہ نے دعا کی تھی کہ یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ "یا اللہ اس کو قبول فرما لیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیجئے۔" اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدر آباد دکن کی طرف سے پیشکش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدر آباد ہی کے مصارف پر بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس عظیم الشان تالیف نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوالیا۔

الغرض حضرت علامہ مرحوم بغداد الجدید (بہاول پور) میں وزیر تعلیمات درس کی دعوت پر تشریف لے گئے اور بغرض تبدیلی آب و ہوا کچھ روز وہاں قیام فرمایا مگر قیام کو ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ وقت موعود آپہنچا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء یوم شنبہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ہمیں داغ مفارقت دے کر راہگیر عالم جاودانی ہو گئے۔ یہ خبر مسلمانان ہند و پاک عموماً" اور متوسلین

دارالعلوم دیو بند کے حلقوں میں خصوصاً انتہائی رنج و غم کے ساتھ سنی گئی۔ دارالعلوم کی فضا رنج و غم میں ڈوب گئی اور تمام دفاتر بند کر دیئے گئے۔ علی الصباح نماز فجر کے بعد مسجد دارالعلوم میں حضرت علامہ کے سانحہ ارتحال کا تذکرہ کر کے کلمہ شریف اور قرآن کریم ختم کیا گیا جس میں تمام اساتذہ اور طلباء اور کارکنان دارالعلوم نے شرکت کی پھر بعد نماز ظہر تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا سید احمد مدنی اپنے تعزیتی کلمات میں ارشاد فرمایا کہ۔

"حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بے مثال تھی، علم و فضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ ہم میں سیاسی اختلاف ضرور پیدا ہوئے مگر وہ اپنی جگہ ہیں۔ حضرت علامہ مرحوم کے علم و فضل اور بلند پایہ شخصیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً ان کی یہ دائمی مفارقت ہم سب کے لئے باعث صد رنج و ملال ہے۔ حضرت علامہ مرحوم نے دارالعلوم میں تعلیم پائی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے اکابر دارالعلوم سے انہیں نسبتی تعلق تھا اور تقریر و تحریر کا خداداد ملکہ حضرت مولانا مرحوم کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔"

حضرت مولانا مدنی کی تقریر کے بعد احقر نے ایک مفصل تقریر کی جس میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی مرحوم کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات و خصوصیات پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ جماعت علماء میں حضرت علامہ مرحوم نہ صرف ایک بہترین عالم و فاضل ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔ آپ اس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حضرت قاسم العلوم و الخیرات بانی دارالعلوم دیو بند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی اور درسوں میں ان کے علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائنوں میں آپ کو درس و تدریس اور مختلف مدارس مدرسہ فتح پوری دہلی، دارالعلوم دیو بند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزارہا طلباء کو یکے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ تصنیفی لائنوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر

بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہیں۔ سیاسی لائن میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدر آباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانے کی سعی جمیل فرمائی۔ جبکہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرہ میں تھے۔ آزادی ملک کی جدوجہد میں آپ نے کافی حصہ لیا اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادی وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا اور کراچی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا۔ اور وہاں کی گورنمنٹ کے ہائی کمانڈ میں آپ عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مذہبی قانون کمیٹی کے صدر تھے۔ بلاشبہ وہاں کی حکومت نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات میں وہ معاملہ کیا جو ایک قدر شناس حکومت کو اپنے مخلص خیرخواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ کرنا چاہئے۔

علامہ مرحوم کی ان چند در چند فضیلتوں اور پھر ان مخصوص نسبتوں سے اولاً آپ دارالعلوم کے مایہ ناز فرزند تھے پھر اس کے قابل قدر مدرس بنے اور آخر کار ادارہ کے صدر مہتمم ہوئے۔ ان کے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم بطور ادائے حق نہیں بلکہ بطور ادائے قرض ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کریں اور نہ صرف آج ہی بلکہ آئندہ سال بھی برابر کرتے رہیں۔ علماء و طلباء کے بھرے مجمعے نے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے ہاتھ اٹھا کر اور کافی حد تک خشوع و خضوع کے ساتھ دعا فرمائی اور بڑے رنج و الم میں ڈوبی ہوئی یہ مجلس برخاست ہوئی۔ دفاتر بند کر دیئے گئے اور حضرت ممدوح کے ایصال ثواب کے لئے ایک دن کی تعطیل کی گئی۔ احقر مہتمم دارالعلوم اور جماعت کی جانب سے تعزیت کے تار حضرت علامہ مرحوم کے اہلبیت اور پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم اور ایسوسی ایٹڈ پریس پاکستان کو روانہ کئے گئے جن کی

عبارت حسب ذیل ہے۔

"شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلامی کا ایک شدید حادثہ ہے۔ میں خود اور تمام جماعت دار العلوم دیو بند آپ کے اور تمام ملت اسلامیہ پاکستان کے غم میں شریک ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں۔ دار العلوم میں تعطیل کی گئی اور ختم قرآن اور دعا کرائی گئی ہے۔"

حضرت مولانا سید مرتضےٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین
دار العلوم دیوبند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں دار العلوم سے فارغ
التحصیل ہوئے۔ ذکی، طباع اور تیز فہم علماء میں سے تھے۔ ظرافت مزاج میں
کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آپ کی وعظ و تقریر بڑی مشہور و معروف تھی۔
زبردست مناظر تھے۔ مبتدعین اور قادیانیوں کو تابہ دروازہ آپ ہی نے پہنچایا۔
عرصہ دراز تک دربھنگہ اور مراد آباد وغیرہ میں صدارت تدریس کے فرائض انجام
دیئے اور آخر میں دار العلوم دیو بند کے عہدہ نظامت تعلیم اور پھر نظامت تبلیغ پر
فائز ہوئے۔ دار العلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ کی نمایاں
اور غیر معمولی خطابت نے ملک کے گوشہ گوشہ کو مستفیض کیا۔ آپ کو رد بدعات
اور رد قادیانیت سے خاص شغف تھا اور اس سلسلہ میں آپ کی بہت سی قابل قدر
تصانیف ہیں جو طبع ہو چکی ہیں اور اپنے موضوعات پر قابل قدر مباحث سے معمور
ہیں۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ مطالعہ کتب اور نوادر و مخطوطات جمع کرنے کا بھی
ذوق تھا۔ چنانچہ ایک بڑا کتب خانہ جو تقریباً" آٹھ ہزار قیمتی مخطوطات و مطبوعات پر
مشتمل یادگار چھوڑا ہے جسے ان کے صاحبزادے محمد انور صاحب نے دار العلوم دیو
بند میں منتقل کر دیا ہے۔

آپ کو حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل
تھا۔ آخر عمر میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی طرف سے رجوع کیا اور
مجاز بیعت ہوئے۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ کو دار العلوم سے سبکدوش ہو کر
وطن مالوف چاند پور ضلع بجنور میں قیام فرمایا اور وہیں ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ
دسمبر ۱۹۵۱ء میں رحلت فرمائی۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مدرسہ امینیہ دہلی کے محدث ' ہندوستان کے مفتی اعظم اور اپنے زمانہ کے مشہور و مسلم فقیہ و مفتی تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ نکتہ رس علماء میں سے تھے۔ تدریس و افتاء کے ساتھ سیاسی لائن میں بھی نمایاں کام انجام دیا۔ آپ ہی جمعیت علماء ہند کے سب سے پہلے صدر ہوئے اور عرصہ دراز تک صدر رہے۔ جمعیت علماء اور کانگریس کی تحریکوں میں قائدانہ حصہ لیا۔ کئی مرتبہ جیل گئے۔ آپ کا علم و فہم علماء میں تسلیم شدہ تھا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ جیسی مردم شناس ہستی نے فرمایا کہ "میں مفتی کفایت اللہ کے تدبر اور مولوی حسین احمد کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔"

مجموعی حیثیت سے آپ فقیہ ' محدث ' مفتی ' مجاہد ' اور نکتہ سنج علماء دیو میں سے تھے۔ آپ کے فتاوی کو کفایت المفتی کے نام سے مرتب کرکے شائع کیا جا رہا ہے جس کی چھ جلدیں تو منظر عام پر آچکی ہیں۔ دوسری تصانیف میں "تعلیم الاسلام" آپ کی بہت مشور تصنیف ہے اور ہند و بیرون ہند کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ جب میں زنجباء گیا تو دیکھا کہ وہاں کے مدارس میں بھی "تعلیم الاسلام" نصاب تعلیم میں شامل ہے۔ آپ ۱۳۵۵ھ سے ۱۳۷۲ھ تک دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن بھی رہے۔ آخر میں ملک کے تباہ کن حالات نے آپ کو بہت زیادہ افسردہ کر دیا تھا۔ چند ماہ کی طویل علالت کے بعد ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو شب میں عازم ملک بقاء ہو گئے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے اراکین نے آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کے ایصال ثواب کا بھی اہتمام کیا۔ حق تعالی درجات بلند فرمائیں ے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قابل فخر عالم و فاضل اور شبلی نعمانی مرحوم کے جانشین حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فیض علمی و روحانی سے ایک عالم کو مستفید کیا۔ لاکھوں گمراہ انسانوں کو دیندار متقی اور پرہیزگار بنایا اور سلوک و تصوف کے ذریعے ایسی اصلاح عقائد و اعمال کی کہ حیرانی ہوتی ہے۔ گزشتہ صدی میں ہندوستان کے کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ان سے بے نیاز نہیں رہے۔ ہندوستان کے دو بڑے تعلیمی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دار العلوم ندوہ کے اکثر و بیشتر عمائدین حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر دیو بند سے مستفیض ہوئے۔ ان میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبد الباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم دار العلوم دیو بند کی مجلس شوری کے بھی باقاعدہ ممبر رہے۔ اور احقر سے خصوصی شفقت و محبت بھی فرماتے رہے۔ ان کا علم و فضل اور زہد و تقوی مثالی تھا۔ انہوں نے زندگی بھر علم کی شمعیں جلائے رکھیں۔ اور ہند و پاک میں ان کی خدمات جلیلہ قابل قدر ہیں۔ جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد انکی ذات گرامی پاکستانی قوم کے لئے سرمایہ افتخار و نازش تھی۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں رحلت فرمائی اور وہیں شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر اسلامیہ کالج میں محو آرام ہیں۔ دار العلوم دیوبند میں ان کی وفات کی خبر سن کر ختم قرآن اور خصوصی دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ اور تمام اساتذہ و طلباء نے ان کی وفات کو عالم اسلام کا عظیم سانحہ قرار دیا۔ حق تعالی درجات بلند فرمائیں۔

حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ ۱۳۲۱ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے آپ کو مدرسہ نعمانیہ بھاگلپور (بہار) کے لئے منتخب فرمایا۔ جہاں سات سال آپ درس دیتے رہے۔ پھر شاہ جہان پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس میں حسبۃ اللہ پڑھاتے رہے۔ ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔ یہاں علم و ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے تھے اور شیخ الادب کے لقب سے معروف ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ میں والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند ریاست حیدر آباد کے مفتی اعظم کے عہدے پر انتخاب عمل میں آیا۔ تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے آپ کو اپنی معیت میں لے گئے۔ وہاں ایک سال قیام رہا۔ حضرت والد محترم کے ساتھ ہی آپ دیوبند واپس تشریف لائے۔ آپ کو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی قدس سرہ کے بعد صدر مفتی دارالعلوم کے عہدے پر فائز کیا گیا اور اس کے بعد آخر عمر تک دارالعلوم ہی میں آپ کا قیام رہا۔

فقہ و ادب کا خاص فن تھا مگر آپ نے آخری دور میں کئی سال ترمذی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں۔ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف کے پڑھانے کا بھی آپ کو موقع ملا۔ غرض کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب، علم تفسیر وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ آپ بے نفس اور تواضع میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور اخلاق و اوصاف میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلم تھی اور وقتاً فوقتاً ادارہ اہتمام میں بھی آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔ ۱۳۷۴ھ میں آپ نے دار فانی سے رحلت فرمائی۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید مناظر حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دار العلوم دیوبند کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے ۱۳۳۲ھ میں دورہ حدیث میں شریک رہ کر دار العلوم سے کتب حدیث کی سند حاصل کی۔ دار العلوم میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ کے علمی اور روحانی فیضان و تربیت سے ان کی زندگی کا رخ معقولات کی بجائے تفسیر و حدیث اور سلوک و معرفت میں تبدیل ہو گیا۔ اور فکر و نظر کی وہ تمام بنیادیں متزلزل ہو گئیں جو خاندان، تعلیم اور گرد و پیش نے ان کے گرد چنی تھیں۔

آپ صاحب طرز مصنف نیز ذہن و ذکاء اور طباعی میں منفرد تھے۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد دار العلوم کے آرگن رسالہ "القاسم" کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر منتخب کیے گئے اور عرصہ دراز تک قلمی خدمات سے ہندوستان کے علمی حلقوں کو مستفید کرتے رہے۔ اس زمانے میں آپ نے اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرز نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ سوانح ابو ذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ اور کائنات روحانی دونوں کتابیں ان کے اس دور کی یادگار ہیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش پر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اس دوران میں بہت سی مفید اور علمی تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں۔ جن میں النبی الخاتم ﷺ، الدین القیم، تدوین حدیث، ہزار سال پہلے، نظام تعلیم و تربیت اور تدوین قرآن وغیرہ آپ کی مخصوص علمی اور مشہور تصانیف ہیں۔ آپ نے تقریباً پچیس سال تک حیدر آباد میں علمی خدمات انجام دی ہیں۔ اس زمانہ میں آپ کے درس و تربیت سے جامعہ عثمانیہ کے بہت سے طلباء میں دینداری پیدا ہوئی اور تلامذہ میں بہت سے نامور اہل قلم پیدا ہوئے اور آپ کے سینکڑوں مقالات ملک کے بلند پایہ رسائل میں شائع ہوئے جو آپ کے کمال علم کی دلیل ہیں۔ آپ کا جو والہانہ اسلوب تحریر میں پایا جاتا تھا وہی والہانہ رنگ تقریر میں بھی تھا۔ آپ اپنے علم و فضل، معلومات، کثرت مطالعہ، دقت نظر،

نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں نادرہ روزگار تھے۔ آپ کی کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" اپنے موضوع میں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اور مقبول خواص و عوام ہے۔ آخیر میں احقر کی فرمائش پر آپ نے "سوانح قاسمی" تین جلدوں میں مرتب کی جو آپ کی تصانیف میں ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس کے بارے میں جب احقر نے آپ سے فرمائش کی تو بہت خوش اور امنگ سے اسے قبول کرتے ہوئے لکھا کہ "میری علمی زندگی کی ابتداء "القاسم" ہی سے ہوئی تھی اور شاید انتہا بھی "القاسم" یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہی پر ہو گی۔"

چنانچہ یہی ہوا کہ سوانح قاسمی کی چوتھی جلد آپ نے شروع کی۔ پانچ صفحے لکھنے چاہے تھے کہ عمر فانی نے جواب دے دیا اور "القاسم" پر انتہا ہو گئی۔ آپ کی تقریر و خطابت نہایت عالمانہ ادیبانہ اور پر جوش ہوتی تھی۔ دقیقہ سنج اور نکتہ رس علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور ہندوستان کے مشاہیر علماء میں آپ کی ممتاز حیثیت مانی جاتی تھی۔ آخر میں جامعہ عثمانیہ سے وظیفہ یاب ہو کر اپنے وطن گیلانی میں مقیم ہو گئے اور وہیں طویل علالت کے بعد ۲۵ شوال المکرم ۱۳۷۵ھ / ۵ جون ۱۹۵۶ء کو رحلت فرمائی۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا خاندان اپنے علم و عمل کے لحاظ سے پنجاب میں مرجع خواص و عوام رہا ہے۔ آپ نے ۱۳۳۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اکابر اساتذہ سے دورہ حدیث کی کتب پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ ۱۳۳۸ھ میں تحریک خلافت کے دور میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تحریک خلافت کے جلسوں میں شرکت کرنے لگے۔ اس زمانے میں امرتسر میں جلیاں والا باغ کا مشہور خونی واقعہ پیش آیا۔ جس نے آپ کے جذبہ حریت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور آپ مجلس احرار میں شامل ہو گئے اور پھر باقاعدہ سیاسی تحریکات میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے اور کئی بار گرفتار ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ لاہور چلے گئے پھر وہاں سے دہلی آکر مستقل طور پر دہلی میں مقیم ہو گئے اور عمر کے آخری سال یہیں گزارے۔ اس دوران آپ فرقہ وارانہ اتحاد کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ مشرقی پنجاب میں مساجد اور اسلامی اوقاف کی واگزاری کی کوششوں میں لگے رہے۔ ساتھ ہی مظلوموں اور ضرورت مندوں کی خدمت میں بھی مصروف رہے۔ بالآخر چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۱ صفر ۱۳۷۶ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ اور جامع مسجد شاہ جہانی کے حلقہ قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے پانچویں صدر المدرسین تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے خلفاء مجاذین میں سے تھے۔ علم سے فراغت کے بعد اپنے والد مرحوم کے ساتھ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ طیبہ پہنچے اور اٹھارہ سال مدینہ منورہ میں رہ کر مختلف علوم و فنون اور بالخصوص حدیث شریف کا درس دیا۔ زندگی کمال زہد و قناعت کی تھی۔ جو کمال صبر و تحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے پھر ۱۳۲۰ھ میں واپس تشریف لے گئے بعد ازاں ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۲۹ھ تک درس دیا پھر اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور اسی سال مدینہ پاک واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ حجاز ہی میں اسیر کر کے مالٹا بھیج دیئے گئے۔ ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے رہا ہو کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی سال اکابر کے حکم پر جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ سلہٹ میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے۔ حضرت الاستاذ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ڈابھیل تشریف لے جانے پر آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس بنائے گئے۔ آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ حدیث کے مشہور اسکالر تھے۔ آپ کا درس حدیث بہت مقبول تھا۔ کئی تصانیف فرمائیں جو سیاست و تصوف پر ہیں۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک بتیس برس آپ دارالعلوم میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ اس دوران میں ۴۴۸۳ طلباء نے آپ سے بخاری شریف اور ترمذی پڑھ کر دورہ

حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنی ہمت مردانہ سے سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ جمعیت علماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے۔ آپ جمعیت علماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں آپ نے نمایاں حصہ لیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کئی مرتبہ جیل گئے اور آخر کار ملک کو آزاد کرایا۔ بہرحال مجموعی حیثیت سے آپ عالم، فاضل، شیخ وقت، مجاہد، جفاکش، جری اور اولوالعزم فضلاء دارالعلوم دیو بند میں سے تھے۔ آپ کا درس حدیث مضامین اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا منفرد درس ہوتا تھا۔ اور اسی لئے اس کی عظمت و شہرت اور کشش کی بدولت سال بسال طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

۱۲ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ واصل بحق ہوئے۔ انا للہ جنازہ دارالحدیث میں لا کر رکھا گیا اور مظاہر العلوم سہارن پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبرستان قاسمی میں سپرد خاک کئے گئے۔ حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید اور حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ علوم ظاہرہ و باطنہ کے جامع اور معقولات و منقولات کے امام تھے۔ ایک شیخ کامل رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد امرتسر میں تقسیم ملک تک علمی و تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر لاہور سے جامعہ اشرفیہ کے نام پر ایک عظیم دینی درسگاہ قائم فرمائی جہاں سے ہزاروں طالبان علم فیضیاب ہو کر اطراف ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ میں طویل سفر سے واپس دیوبند آیا تو اچانک حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ فاجعہ انتقال پر ملال کا معلوم ہو کر دل پر ایک چوٹ لگی اور بجلی سی گری۔ انہوں نے ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ میں کراچی میں رحلت فرمائی۔ اور وہیں سوسائٹی کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی تھی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین کا ایک عظیم ستون تھے جو گر پڑا۔ وہ مینارہ رشد و ہدایت تھے جس کی روشنی ملک بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کا بدل فی زمانہ محال نہیں کی متعذر اور مشکل ضرور ہے اور عادتاً" ناممکن ہے۔ اس نواح میں میری حاضری جس کشش سے ہوتی تھی اب اس میں سستی آگئی۔ یہی دو چار بزرگ تھے جن کی کشش ہر وقت حاضری کے لئے بے چین کرتی تھی۔ افسوس صد افسوس، مگر کیا کیا جاوے، اس مرحلہ پر سب ہی عاجز و درماندہ ہیں اور سوائے صبر کے چارہ کار نہیں ہے۔ حق تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان کو ان کا صحیح اور سچا جانشین بنائے اور حضرت کو بلند مقامات عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ایک بے مثال خطیب کی زندگی ہے۔ جس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ معرکتہ الآراء خطابت اور شعلہ بیانی ان کی ایک ایسی زبردست خصوصیت رہی ہے۔ جس میں وہ اپنے معاصرین میں ہمیشہ منفرد اور ممتاز رہے ہیں۔ اور اس خداداد جوہر کے ساتھ انہوں نے اسلام اور اس کے مسلک حق کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں جس خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ پہنچایا ہے وہ انہی کا حق تھا۔ یہ جوہر اور قرآنی اعجاز بیانی کا پرتو ان کے قلب پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر ڈالا تھا جس سے انہوں نے حق ہی کا کام کیا اور حق ہی کے راستے کی ہمیشہ دعوت دیتے رہے۔

جہاں تک ان کے بیانات سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا تھا کہ قرآن ان کے سامنے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کے بلیغ اور موجد جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ سحر بیانی سے مجمع کو باندھ کر رکھ دینا۔ گویا ان کا اختیاری فعل ہوتا تھا کہ جب چاہیں اسے کھول دیں اور جب چاہیں باندھے رکھیں پھر یہ ان کے بیان کی بلاغت سلاست کی خوبی تھی کہ مسلم و غیر مسلم یکساں طور پر ان سے مستفید ہوتے تھے اور دست پابستہ ہو جاتے تھے۔ مجلس احرار کے ذریعے انہوں نے ملک و قوم کی جو عظیم خدمات ایک طویل مدت تک انجام دیں۔ برصغیر و ہند پاک کا گوشہ گوشہ ان پر گواہ ہے۔ تحریک آزادی ہند و پاک کی تاریخ میں انہیں ایک بلند مقام اور عظیم خصوصیت حاصل ہے۔ اسی دور میں رائیں الگ الگ تھیں اور ایک کی رائے کا دوسرا پابند نہ تھا۔ لیکن ان کے ذہنی جوہروں کی خوبیوں کے معترف ان کے بعض مخالف بھی تھے اور ان سے متاثر ہوتے تھے۔ کبھی سفروں میں اتفاقی طور پر ساتھ ہوا۔ محسوس ہوتا تھا کہ وہ مقناطیس کی حیثیت سے ہیں اور لوگ ربنہ۔ لوہا اور پیتل کے ہیں جو کھینچ کھینچ کر ان سے چسپاں ہو رہے ہیں۔ آپ نے ۱۳۸۱ھ میں وفات پائی ہے۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ اعلیٰ ترین علمی استعداد کے مالک ' غایت درجہ کے ذکی الطباع فضلاء میں سے تھے۔ ابتداء" دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں پھر دارالعلوم کی طرف سے مدراس بھیجے گئے اور وہاں درس تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس رہے۔ تصنیف و تالیف کی مخصوص صلاحیتں رکھتے تھے۔ متعدد اعلیٰ ترین کتابوں کے مصنف تھے۔ ہندوستان کے بڑے بلند پایہ مقرر و خطیب تھے۔ بہترین سیاست دان تھے۔

ندوۃ المصنفین دہلی کے مخصوص کارپردازوں میں سے تھے۔ جمعیت علماء ہند اور کانگریس کے صف اول کے لیڈروں میں سے تھے۔ کئی بار جیل گئے۔ طویل عرصہ تک جمعیت علماء ہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔ ۱۹۴۷ء کے انقلابی ہنگاموں میں اپنی جان پر کھیل کر ہزاروں کی جانیں بچائیں۔ پارلیمنٹ کے بے لوث اور نڈر ممبر تھے۔ فرقہ پرست بھی ان کا لوہا مانتے تھے۔ گورنمنٹ ہند بھی انہیں مانتی تھی اور ان کے اثرات قبول کرتی تھی۔ غرض ان کی شخصیت ایک جامع اور موثر شخصیت تھی۔ جس کا ہندوستان کے تمام علمی اور سیاسی طبقات پر اثر تھا۔ آپ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر اور اس کے کاموں میں دخیل تھے۔ علاوہ ازیں کئی دوسرے مدارس اور تنظیموں کے رکن رکین بھی تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ممبر رہے اور دیگر کئی ادارے آپ کو اپنا سرپرست و رکن بنائے ہوئے تھے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو اس مجاہد ملت نے نئی دہلی میں وفات پائی۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قبرستان مہندیوں میں ان کی ابدی آرام گاہ ہے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پور قدس سرہ آپ کے شیخ و مربی تھے۔ آپ زندگی بھر یاد حق اور خدمت شیخ میں مصروف رہے۔ ہمیشہ صبر و استقامت کے ساتھ ذکر و اذکار اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے اور ہر تکلیف و پریشانی کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے رہے۔ آپ کے شیخ معظم حضرت رائے پوری قدس سرہ آپ سے آخر دم تک راضی رہے۔ اور بوقت وصال آپ ہی کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا اور رائے پور خانقاہ میں رہنے کی تلقین فرمائی۔ اپنے شیخ کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور پورے پینتالیس سال تک رونق تلقین و ارشاد کا باعث بنے رہے۔ اپنے عمل و اخلاص سے شریعت و طریقت کو دنیا میں عام کیا اور اشاعت و ترویج میں ہر ممکن کوشش کی۔ سینکڑوں علماء کو روحانی منازل طے کرائیں اور لاکھوں مسلمانوں کو فسق و فجور اور رسومات و بدعات سے توبہ کرائی۔ ہر قسم کے لوگ آپ کے اخلاق و محبت سے متاثر ہوئے۔ اور اصلاح و تربیت کراتے رہے۔ آپ نہایت متواضع ' خوش اخلاق اور سادہ طبیعت تھے۔ فنائیت کا اعلیٰ مقام حاصل تھا اور اپنے متوسلین کو بھی سادگی و فنائیت کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ الغرض ساری زندگی طالبین حق کی اصلاح و فلاح میں مصروف رہنے کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ کو رحلت فرمائی۔ اور ڈھڈیاں ضلع سرگودھا کی مسجد میں تدفین عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی اچانک اطلاع ملی تو دل
دماغ پر ایک بڑا دھچکا لگا اور دیر تک انا للہ کا ورد جاری رہا۔ آپ علم و فضل
اخلاص و تقوی اور سادگی و تواضع کا عظیم پیکر تھے۔ آپ لاہور میں دیوبندی مسلک
کا پہلا نمونہ تھے۔ جنہوں نے نصف صدی تک قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تاز
کی اور بے غرضی اور لگن کے ساتھ احیاء دین اور شریعت اور اعلاء کلمۃ الحق کے
لئے کام کیا۔ آپ کی زندگی دینی و علمی خدمات میں بسر ہوئی۔ قرآن مجید کی تفسیر او
اس کی تعلیم و تدریس سے آپ کو خاص شغف تھا۔ اور اس کا آپ کے ہاں بڑ
اہتمام تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلباء بھ
اسی غرض سے لاہور جاتے اور آپ کے درس قرآن سے مستفید ہوتے تھے۔ آ
ایک عالم باعمل اور درویش صفت بزرگ تھے۔ ان کی زندگی میں سادگی، خلوص
اور تواضع نمایاں اوصاف دکھائی دیتے تھے۔ آپ کی ذات مرجع خواص و عو
تھی۔ تحریک خلافت اور جمعیت علماء ہند میں شامل رہے۔ تقسیم کے بعد شیخ الاس
حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ فرمایا اور جمعی
علماء اسلام میں شامل ہوئے۔ آپ کی روح کے ایصال ثواب کے لئے دارالعلوم
قرآن خوانی کی گئی۔ اور علماء و طلباء کے اجتماع میں آپ کے اوصاف و کمالات بی
کرکے دعائے مغفرت کی گئی۔ حق تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور صاحبزاد
کو بھی صبر و جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سن کر دل کو از حد رنج و
ل ہوا۔ آپ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے اور حضرت امام العصر
۔ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے
ند تلامذہ میں سے تھے۔ میرے ساتھ ان کا بہت قریبی تعلق تھا۔ وہ میرے خاص
صرین میں سے تھے۔ فراغت تحصیل کے بعد دارالعلوم دیو بند کے درجہ ابتدائی
مدرس رہے۔ فن حدیث میں خاص دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ فارغ التحصیل ہو جانے
بعد کئی بار حضرت شاہ صاحب کے یہاں ترمذی اور بخاری کی سماعت فرمائی۔
، حضرت شاہ صاحب کے علوم کے خاص ترجمان تھے۔ فیض الباری شرح
ی آپ کی تالیفات کا شاہکار ہے۔ حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمان عثمانی
کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاری محمد اسحاق میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور ان ہی
خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کا سلسلہ رشد و ہدایت الحمد للہ بہت وسیع ہوا۔ تقسیم ملک
بعد آپ نے پاکستانی قومیت اختیار کی اور ٹنڈو الہ یار کے دارالعلوم الاسلامیہ
بطور استاذ حدیث اور ناظم اعلی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اور درس
ث میں مشغول رہے۔ اس سے قبل قیام پاکستان تک دارالعلوم دیو بند اور جامعہ
میہ ڈابھیل میں تدریس کا سلسلہ رہا۔ پھر پاکستان سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت
ور آخر دم تک وہیں مقیم رہے۔ اور مسجد نبوی میں درس حدیث کے چراغ
نے رہے۔ مسجد نبوی میں روضہ رسولؐ کے سامنے تیرہ سال آپ نے علوم قرآن
ث کی جو شمع روشن کر رکھی یہ بہت بڑی سعادت اور بہت بڑا اعزاز ہے۔

آپ کا سلسلہ بیعت و ارشاد خصوصیت سے افریقہ میں بہت پھیلا۔ بکثرت
، آپ سے بیعت ہوئے۔ زمانہ حج میں جو قافلے ایسٹ یا ساؤتھ افریقہ آتے
ہ اکثر و بیشتر آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر واپس ہوتے تھے۔ آپ کی
، و تالیف میں "ترجمان السنۃ" علم حدیث میں ایک شاہکار تصنیف ہے۔ جس

میں اکابر دار العلوم اور بالخصوص حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو جمع کر کے خود اپنے علم اور علمی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ اس مبارک کتاب کی تین ضخیم جلدیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی ہیں۔ جو خواص و عوام میں مقبول ہیں۔

الغرض آپ ایک عظیم محدث و مفسر، قابل مدرس، فاضل مقرر اور نہایت مقبول و کامیاب مصنف تھے اور عربی کے ادیب و شاعر بھی تھے۔ صدق وصفا کا مجسمہ اور ورع و تقوی اور استغناء کے پیکر تھے اور ایک عارف کامل اور شیخ کامل تھے خلوص و للہیت میں اسلاف کی یادگار تھے اور اپنے علم و فضل اور زہد و تقوی میں بے نظیر تھے۔

۵ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ کو شب جمعہ میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں امہات المومنین کے عین قدموں میں آخری آرام گاہ بنی۔ اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا عبد الرحمان کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے اور عرصہ تک مظاہر العلوم کے صدر مدرس رہے تھے۔ اور حضرت مولانا حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کے خلیفہ ارشد تھے۔ ایک متبحر عالم دین، ایک خدا شناس بزرگ اور محامد و فضائل انسانی کے جامع انسان تھے۔ طبیعت بہت سادہ مزاج نرم اور رو متانت و تمکنت فطری اور علم و وقار خدا داد تھا۔ حدیث، علم کلام اصول و منطق، رجوع الی الحق اور اپنے ساتھیوں سے بے حد خوش اخلاقی سے پیش آنا مولانا کی زندگی کا طرہ امتیاز تھا۔ حدیث سے خاص لگاؤ تھا۔ اور تمام علوم و فنون کے جامع تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیضیاب ہوئے اور پھر پوری عمر شب و روز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ خیر المدارس ملتان اور دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں صدر مدرس کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس دوران ہزاروں طلباء علم حدیث کو اپنے فیض علمی سے مالا مال کیا۔ ۲۷ شعبان ۱۳۸۵ھ کو انہوں نے رحلت فرمائی۔ ہمیں پاکستان کے روابط و مراسلت کے بند ہونے کی وجہ سے اس حادثہ عظیمہ سے بے خبری رہی۔ اب کوئی چار ماہ بعد پاکستانی ڈاک موصول ہوئی تو مولانا کے انتقال کی اطلاع ہوئی۔ اور ہم نے مولانا کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کرائی اور ان کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے اور خصوصی دعائے مغفرت کرائی گئی۔ حق تعالی حضرت مولانا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے ممتاز علماء اور شیوخ میں سے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا طرز اصلاح و تہذیب و نفس ہو بہو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تھا۔ پہلے اعظم گڑھ میں پھر شہر گورکھپور میں اور اس وقت الٰہ آباد شہر میں آپ نے اپنی خانقاہیں قائم فرمائی تھیں۔ بڑے بڑے ذی علم اور صاحب جاہ و ثروت کی اصلاح آپ کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ ہزاروں بندگان خدا کو روحانی فیض پہنچا اور یہ خطہ آپ کے وجود مبارک کی روحانیت سے بہرہ انداز ہوا۔ آخر کے چند سال میں بمبئی بھی آمدورفت رہی۔ اور وہاں بھی مریدین و متوسلین کا ایک حلقہ قائم ہو گیا۔ اور کتنے لوگ مسلک صالح پر مستقیم ہو گئے۔

۲۲ شعبان ۱۳۸۷ھ میں سفر حجاز کے دوران جہاز میں وفات پائی اور یہ مسافر حجاز رب کعبہ کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ پھر بحر احمر کی آغوش میں آپ کو سپرد آب کیا گیا۔ آخر عمر میں وفور کیفیت کے موقع پر مرزا غالب کا یہ شعر اکثر ورد زبان رہتا تھا۔

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

غالباً ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا جاتا ہے کہ 'قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید' ہزار بندگان خدا کو روحانی فیض پہنچانے کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف بھی لکھی ہیں جو ان کی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دار العلوم دیو بند کے صدر المدرسین تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ آپ معقولات میں خصوصاً" اور جمیع علوم میں عموماً" تسلیم کئے گئے۔ بہت سے اساتذہ دار العلوم اور دیگر مدارس دینیہ میں اکثریت کے ساتھ آپ ہی کے شاگرد رہے ہیں۔ درس حدیث میں آپ خاص امتیاز رکھتے تھے۔ مختلف مدارس دینیہ فتح پوری دہلی ' مدرسہ مداویہ دربھنگہ ' مدرسہ ہاٹ ہزاری ' چاٹگام وغیرہ میں صدارت تدریس کے عہدہ پر فائز رہے۔ پھر آپ کے اساتذہ نے آپ کو دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس کے عہدہ کے لئے آپ کو منتخب کیا اور بہت اونچے طبقہ کے اساتذہ میں شمار ہوئے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ دار العلوم مدرس کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات اور مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے تھے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے۔ طلباء آپ کے ذوق میں بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے شریک ہوتے تھے۔ اور آپ کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے۔ درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی اور درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ لطائف و ظرافت دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے میں خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم پر گہری نظر تھی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ نے کئی تصانیف و رسائل بھی تالیف فرمائے جو آپ کے علمی مقام کا ثبوت ہیں۔ آپ نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آسودہ خواب ہوئے۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دار العلوم دیو بند کے ممتاز فاضل اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اور آخر میں ۱۳۳۰ھ میں دار العلوم دیو بند سے علوم کی تکمیل کی۔ مثنوی روم اپنے عم محترم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے "سبقا سبقا" پڑھی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور اشاعت کے لئے اشرف المطابع کے نام سے ایک پریس قائم کیا۔ "التبلیغ" اور "النور" کے نام سے ماہانہ رسالے جاری کئے اور ۱۳۶۷ھ تک خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مہتمم رہے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور وہاں کتابوں کا کاروبار شروع کر دیا۔ "اعلاء السنن" جیسی شہرہ آفاق کتاب کی ۱۸ جلدیں آپ نے عربی ٹائپ میں شائع کیں لیکن اسی طرح تفسیر بیان القرآن اور بہشتی زیور کو نہایت اعلیٰ پیمانے پر طبع کرایا۔ پاکستان میں تبلیغی جذبہ لے کر گئے تھے اور آخر تک تبلیغ و اشاعت کے لئے کوشاں رہے۔

آپ دار العلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے اور احقر کے مشیر خاص بھی، اور قریبی احباب میں سے آپ سے نہایت مخلصانہ و محبانہ تعلق رہا۔ ہر دلعزیز، ملنسار، خوش اخلاق وضع انسان تھے۔ اپنے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور اوصاف کمالات میں طبقہ علماء میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ مدبر و منتظم تھے اور فہم و فراست میں کمال حاصل تھا۔

۲۸ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ ر ۲۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں وفات پائی اور ناظم آباد کے قبرستان میں حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوری کے پہلو میں دفن ہوئے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین

حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے فیض یافتہ اور آخری دور طالب علمی میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مستفید ہیں۔ نقشبندیہ سلسلہ کے ممتاز مشائخ میں سے تھے۔ اصل سے صوبہ سرحد کے باشندے تھے۔ لیکن عرصہ دراز سے مدینہ طیبہ میں مہاجر کی حیثیت سے مقیم تھے۔ اور حجازی قومیت اختیار فرمائی تھی۔ آپ پر غلبہ باطنی ارشاد و ہدایت کا تھا۔ سرحدی و پاکستانی لوگ بکثرت آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔ مدینہ منورہ میں آپ کا مقام سکونت ایک مستقل خانقاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس میں ہر وقت طالب علموں اور مستفیدین کا مجمع لگا رہتا تھا۔ اور آپ حجاز میں ممتاز مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ اتباع سنت اور قاطع بدعت کے باعث آپ پورے مدینے میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ / ۱۷ مئی ۱۹۶۹ء کی صبح آپ نے رحلت فرمائی۔ اور جنت البقیع میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عین قریب تدفین ہوئی۔ حق تعالی مغفرت و درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص خلفاء میں بلند مقام پر فائز تھے۔ ایک جید اور ممتاز عالم دین اور شیخ العصر تھے۔ قدیم بزرگوں کی سادگی کے پیکر اور تواضع و انکساری کا مجسمہ تھے۔ خلوص و للہیت میں سلف صالحین کی یادگار تھے۔ رشد و ہدایت اور دینی فیضان کا منبع و سرچشمہ تھے۔ اپنے حسن اخلاق اور حسن تدبر سے ۱۳۴۹ھ ر ۱۹۳۲ء میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی میں ایک دینی درسگاہ "مدرسہ خیر المدارس" کے نام سے جالندھر میں قائم فرمایا۔ جس نے اپنے حسن تعلیم اور حسن انتظام سے جالندھر میں مرکزیت پیدا کرلی اور اس خطہ اراضی کو علوم نبوت سے خوب سیرابی و شادابی ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ نے پاکستان ہجرت کی اور ملتان جیسے مرکزی شہر میں اسی مدرسہ خیر المدارس کی تجدید کی۔ وہاں بھی یہ مدرسہ ایک دم اسی طرح مقبول و معروف ہوگیا جتنا کہ اس وقت تھا۔ یہ سب کچھ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی مقبولیت کا ثمرہ ہے اور دراصل حضرت مولانا کا حسن اخلاق، عمق علم اور اس پر حسن انسانیت و اخلاص اس مدرسہ کی اساس ہے اور اسی اساس پر خیر المدارس کی جدید عمارت قائم ہوئی اور اسی قدیم مقبولیت سے یہ نئی مقبولیت ظہور پذیر ہوئی۔ اور آج الحمد للہ پاکستان میں یہ مدرسہ پنجاب کا علمی مرکز ہے۔ اور حضرت مولانا کا عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے اور احقر سے نہایت قریبی تعلق اور شفقت و محبت کا معاملہ رہا۔ علم و فضل، زہد و تقوی اور دین و دیانت کی عالی صلاحیتیں ان میں بدرجہ اتم جمع تھیں۔ ہزاروں لوگ آپ کے درس اور رشد و ہدایت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے پاکستان کے مدارس دینیہ کا وفاق بنام "وفاق المدارس" قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک لڑی میں منسلک کردیا۔ پھر حضرت مولانا ہی اس وفاق کے پہلے صدر تسلیم کئے گئے جس کو انہوں نے کمال دیانت و

راست بازی اور اخلاص و صداقت سے انجام دیا۔ اس سے جہاں آپ کا علم و فضل ملک پر واضح ہوا وہیں کمال ذہن و ذکاء کا بھی نمایاں ہوا۔ آج مدرسہ خیر المدارس پاکستان میں مرکزی حیثیت کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت اور فقہ فی الدین کی اشاعت میں امتیازی شان کا حامل ہے۔

افسوس کہ آپ ۲۰ شعبان ۱۹۰ھ کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○۔ آپ کی رحلت کی خبر سن کر دل پر از حد صدمہ ہوا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ حاضر ہو کر تعزیت پیش کروں مگر ایسا کرنا بہت مشکل ہے۔ پاکستان میں خاص طور پر دو چار بزرگوں پر ہی نظر پڑتی تھی اور ان ہی حضرات کی کشش ہر وقت حاضری کے لئے بے چین کرتی رہتی ہے۔ مگر یہ مخلصین ومحبین سب رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔ آثار قیامت ہیں۔ حق تعالی ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔ حق تعالی حضرت مولانا کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ اور صاجزادوں کو ان کا سچا جانشین بنائیں۔ اور ان کے چشمہ فیض خیر المدارس کو ہمیشہ قائم و دائم سرسبز و شاداب رکھے۔ آمین ثم آمین

حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیو بند کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے۔ آپ نے ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی تھی۔ کئی سال مدرسہ امداد الاسلام دارالعلوم میرٹھ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اور ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیو بند میں مدرس بنائے گئے۔ یہاں آپ نے منطق فلسفہ اور دوسرے علوم کے علاوہ درس حدیث بھی دیا ہے اور سینکڑوں مشاہیر علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ بعد ازاں آپ لاہور چلے گئے۔ اور وہاں آخر دم تک جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے۔ اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آپ معقولات و منقولات کے امام مانے جاتے تھے۔ میرے اساتذہ میں سے تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کو طالب علم کی استعداد کے مطابق اس طرح سمجھاتے کہ مسئلہ شاگرد کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ آپ کا درس تفہیم کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ درس تقریر جامع اور پر مغز ہوتی تھی۔ آپ وجیہہ باوقار تھے۔ تقریر کے وقت چہرے پر نور وقار برستا تھا۔ طرز بیان صاف اور موثر ہوتا تھا اور اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل اور علوم دینیہ وعقلیہ کے مبصر کہاں پیدا ہوں اور پیدا ہو بھی جائیں تو ذہن سابقین کی صحبت و معیت، سے جو ان کا بنا تھا وہ کہاں سے لائیں گے۔ میرے اساتذہ میں صرف وہی باقی رہ گئے تھے اور بے حد شفیق استاذ تھے۔ اب وہ بھی ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ کو واصل بحق ہو گئے۔ ان کے انتقال پر ملال کا علم ہو کر دل کو انتہائی صدمہ پہنچا اور ایک دفعہ تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا۔ دارالعلوم میں اس سانحہ کی خبر سے اساتذہ و طلباء سب ہی متاثر ہوئے اور ختم شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا۔ دارالعلوم پر ان کا یہ حق ہے کیونکہ آپ ایک طویل عرصے تک دارالعلوم کے احاطے میں فیض رساں رہے ہیں۔ حق تعالی ہمیں ان کے امثال سے نوازے اور حضرت مرحوم کو اعلی علیین میں مقامات بلند عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا فخر الدین احمد مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند موجودہ دور میں اونچے درجہ کے محدث تھے۔ آپ نے ۱۳۲۸ھ میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ اور دار العلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد اکابر دار العلوم نے شوال ۱۳۲۹ھ میں آپ کو مدرسہ شاہی مراد آباد میں بھیج دیا۔ مراد آباد میں تقریباً ۴۸ سال قیام رہا۔ تقریباً نصف صدی کی اس طویل مدت میں ہزاروں طلباء حدیث نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کا درس بخاری نہایت مضبوط اور مفصل ہوتا تھا جس میں حدیث کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا مدنی قدس سرہ کی وفات کے بعد دار العلوم کی مجلس شوری نے دار العلوم دیو بند کے منصب شیخ الحدیث کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ اور آخر وقت تک اسی منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۷۷ سے ۱۳۸۳ھ تک دار العلوم میں آپ سے ۱۱۶۱ھ طلباء نے بخاری شریف پڑھی ہے۔

تعلیمی و تدریسی مشاغل کے علاوہ ملکی و ملی سیاسیات سے بھی آپ کا تعلق رہا تھا اور جمعیت علماء ہند اور کانگریس کی تحریکوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔ کئی بار جیل بھی گئے۔ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ ہی جمعیت علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ آخر کار کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۰ صفر ۱۳۹۲ھ کو انتقال فرمایا۔ اور مراد آباد میں تدفین ہوئی۔ حق تعالی درجات عالیہ نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ احقر کے خاص تعلیمی رفیق اور دورہ حدیث کے ساتھی تھے۔ اوپر سے ہم نسب بھی ہیں۔ حدیث فقہ اور تفسیر میں امتیازی مہارت کے حامل تھے۔ قوت حافظہ امتیازی تھا۔ علوم اور کتب کا استحضار تام تھا۔ اور اونچے درجات کے ارباب تدریس میں سے تھے۔ علوم سے فراغت کے بعد بعض مدارس میں سلسلہ تدریس سے منسلک رہ کر دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے بلائے گئے اور کتب تفسیر کے ساتھ دورہ کی کتب حدیث بالخصوص ابو داؤد شریف اکثر و بیشتر آپ ہی کے درس میں رہتی تھی۔ اتباع سنت اور عظمت سلف کا خاص شغف تھا۔ علوم شرعیہ اور رد مذاہب باطلہ میں بہت سی کتب کے بہترین مصنف تھے۔ محققانہ انداز سے بحث کرتے تھے۔ جس میں علمی مواد کافی ہوتا تھا۔ علمی تصانیف کے سلسلہ میں مشکوۃ المصابیح کی شرح التعلیق الصبیح آپ کا تصنیفی شاہکار ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔ ممالک اسلامیہ کا سفر کئے ہوئے تھے اور بیروت جاکر آپ نے خود ہی شرح مشکواۃ طبع کرائی تھی۔ سیرۃ المصطفیٰ کے نام سے کئی جلدوں میں محققانہ سیرت لکھی جس میں آزاد خیال مصنفوں پر علمی انداز سے تنقید کی ہے۔ اور ان کے بہت سے شکوک و شبہات کے مسقط جوابات دیئے ہیں۔ عربی ادب میں آپ خاص مہارت رکھتے تھے اور عربی اشعار بڑی برجستگی سے کہتے تھے۔ فارسی میں بھی آپ کی نظمیں ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستانی قومیت اختیار کرلی۔ اور آخر وقت تک جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث و التفسیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ہر جمعہ کو آپ کے وعظ کی مجلس ہوتی رہی جس میں ہزاروں کا اجماع ہوتا تھا۔ حق گوئی میں حکیمانہ انداز کے ساتھ ید طولی رکھتے تھے اور سچی بات بلا خوف

ہوتہ لائم برملا کہتے تھے۔ تقوی اور خشیۃ اللہ آپ پر نمایاں نظر آتا تھا اور مشاہیر علم و فضل میں آپ کی ذات ممتاز حیثیت رکھتی تھی۔

آپ نے ۷ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ کو رحلت فرمائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ○۔ جب ریڈیو سے سانحہ ارتحال کی ہوشربا خبر کان میں پڑی کہ میرے دوست صادق، عالم باعمل، تقی و نقی حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں خدا کو پیارے ہو گئے اور کل تک جنہیں ہم سلمہ اللہ اور دام ظلہ سے مخاطب کیا کرتے تھے آج انہیں رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ سے یاد کر رہے ہیں۔ ان کے لئے تو انشاء اللہ دور آخرت دور دنیا سے کہیں زیادہ راحت کا باعث ہو گا۔ رونا تو اپنا ہے کہ اس باکمال شخصیت سے محروم ہو گئے۔ میرے عزیز ان یعنی حضرت مولانا کے صاحبزادگان ہی یتیم نہیں ہوئے بلکہ ہم سب اپنے کو یتیم محسوس کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا کاندھلوی مرحوم کا علم و فضل، ان کا عام افادہ، تحریر و تقریر، درس و تصنیف رہ رہ کر دل کو پگھلا رہا ہے۔ اور اس وفور علم پر سادگی بے نفسی، مسکنت و تواضع ان کا حصہ تھا اور صحیح معنوں میں انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کے سچے مصداق تھے۔ سارا علمی حلقہ ان کی وجہ سے سوگوار ہے۔ دارالعلوم میں خبر پہنچتے ہی سب میں غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دارالعلوم میں درس بند کرکے ختم پڑھایا گیا۔ اور جلسہ تعزیت منعقد ہوا۔ احقر نے حضرت مولانا مرحوم کے احوال صادقہ اور علوم فائقہ پر روشنی ڈالی اور عرض کیا کہ یہ صدمہ پورے دارالعلوم کا بلکہ پوری علمی جماعت کا ہے۔ مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم دارالعلوم کے ایک قابل فخر مدرس تھے اور وہ آج یہاں ہوتے تو تدریس کے سب سے اونچے مقام پر ہوتے۔ ان کا تبحر علمی، مسلک میں پختگی اور رسوخ، ورع و تقوی، وسیع النظری اور علوم کا استحضار سب کے سامنے ہوتا۔ لیکن انہوں نے علمی لائنوں پر جو کام وہاں پاکستان میں کیا اسے ہم سب اپنا ہی کام سمجھتے ہیں۔

مولانا کے حادثہ کا دل پر بڑا اثر ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک علم کا خزانہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مولانا سید فخرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کی صدر مدرسی کا قصہ چھڑا۔ سب کی زبان پر یہ تھا کہ مولانا ادریس

صاحب یہاں ہوتے تو انتخاب صدر مدرس کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ وہ بنے بنائے صدر مدرس دارالعلوم ہوتے۔ بہرحال ان کا صدمہ وقتی نہیں ہے جب بھی علم و کمال اور زہد و تقوی کا ذکر آئے تو ان کا ذکر آنا قدرتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اذاذکر اللہ ذکروا واذاذکروا ذکر اللہ کا سچا مصداق تھے۔

حق تعالی انہیں وہاں بلند درجات عطا فرمائے اور ہم جیسے گنہگاروں کے لئے فرط اور اجر و ذخر بنائے۔ آمین

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

جید الاستعداد پرانے علماء ایک ایک کرکے اٹھتے جا رہے ہیں اور جو جگہ
لی ہوتی ہے وہ کبھی پر نہیں ہو پاتی۔ اس دور انحطاط میں یہ بڑا حادثہ ہے کہ ابھی
ترت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جدائی کا زخم تازہ تھا کہ ۲۳ ذیقعدہ
۱۳۹ھ / ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء کو ریڈیو پاکستان سے یہ اندوہناک خبر آئی کہ پاکستان میں
نرت مولانا ظفر احمد عثمانی وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی خبر معلوم ہو کر
رالعلوم دیو بند کے علمی و دینی حلقوں میں سبھی کو افسوس اور قلق ہوا کہ برصغیر
ں علم و عرفان کی ایک شمع فروزاں گل ہو گئی۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت دیو
میں غالباً" عمر کے لحاظ سے اس وقت سب سے بڑے تھے اور بزرگوں کی یادگار
ے۔ ان کا سانحہ ارتحال علمی و دینی حلقوں کا ایسا زبردست نقصان ہے کہ جس کی
انی کی بظاہر کوئی بھی صورت نظر نہیں آتی۔ حق تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت
ائے۔ آمین

حضرت مولانا عثمانی مرحوم برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء و فضلاء میں بلند
م پر فائز تھے۔ اگرچہ آپ تھانوی مشہور تھے مگر آپ کا اصل وطن دیو بند ہے۔
دیوان کے رہنے والے تھے۔ دیوان لطف اللہ کی اولاد میں سے تھے۔ جو
ہان کے عہد میں دیوان کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ دارالعلوم کے قریب
ان دروازہ اب تک ان کی یادگار موجود ہے۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت
الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ چونکہ بچپن
ے ننھیال تھانہ بھون میں قیام رہا اس لئے دیو بندی کے بجائے تھانوی مشہور ہو
تھے اور دارالعلوم دیو بند والی موجودہ زمین جس پر دارالعلوم کی عمارت ہے
کے جد امجد حضرت شیخ نہال احمد صاحب عثمانی مرحوم نے مدرسے کے لئے
کی تھی۔

حضرت شیخ صاحب مرحوم بڑے دیندار اور رئیس تھے اور حجتہ الاسلا
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ کے بہنوئی اور رفیق خاص
تھے۔

حضرت مولانا عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سر
کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
سے حدیث کی تکمیل کی اور ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدر
مقرر ہو گئے۔ ۱۳۳۹ھ میں جب آپ حج سے واپس آئے تو حضرت حکیم الام
قدس سرہ نے تھانہ بھون میں قیام کے لئے ارشاد فرمایا اور تفسیر بیان القرآن
تلخیص کا کام آپ کے سپرد کیا۔ بیان القرآن کا یہ خلاصہ تلخیص البیان کے نام
قرآن شریف کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے علم
فضل پر بڑا اعتماد تھا اور صحیح معنوں میں آپ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے علم
جانشین اور ترجمان تھے۔ آپ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ان ہی
زیر نگرانی کئی عظیم کارنامے سرانجام دیئے اور کئی عظیم الشان تالیفات منظر عام
آئیں۔ مذہب احناف کے متعلق حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا جب پروگرام بنا
حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم کام کے لئے مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا ا
آپ نے اس خدمت کو بحسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ "اعلاء السنن" کے
سے بیس ضخیم جلدوں میں یہ عظیم الشان تالیف اہل علم میں مشہور ہے۔ او
جن اصحاب بصیرت نے آپ کی اس تالیف کا مطالعہ کیا ہے وہ گواہی دیں گے
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعے کی تیاری میں کتنی محنت
ہے اور کتنا عجیب و غریب حدیث کا ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ
کی خدمت اقدس میں جب آپ نے پہلی جلد مکمل کر کے پیش کی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ
بے حد پسند فرمایا پھر دوسری جلد مکمل کی اور وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش
کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بے حد پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اتنا خوش ہوئے کہ جو چاد
اوڑھے ہوئے تھے وہ اتار کر مولانا عثمانی کو اوڑھا دی اور فرمایا

"علمائے احناف پر امام ابو حنیفہ کا بارہ سو برس سے قرض چلا آرہا تھا۔ الحمد للہ آج ادا ہو گیا۔"

ایک دفعہ ارشاد فرمایا مولانا ظفر احمد اس دور کے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور علوم دین کا سرچشمہ ہیں اور اس طرح سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حکم سے مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلم فیض رقم سے "احکام القرآن" کے ابتدائی دو حصے منصہ شہود پر آئے جس کے بقایا حصے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نے مکمل فرمائے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی حضرت مولانا عثمانی نے بہت سی تصانیف اور علمی مقالات لکھے ہیں جو آپ کے علمی کمال کی دلیل ہیں۔ بہرحال آپ اس تاریک دور میں علم و عمل، اخلاص و ہمت، حسن سیرت و صورت اور علوم ظاہرو باطن میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر وقت درس و تدریس اور تحریر و تقریر کے ذریعے علم و معرفت کی شمعیں جلاتے رہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون، اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ کے علاوہ کئی اور دینی مدارس میں اپنے علم و عمل سے ہزاروں طالبان علم کو سیراب و شاداب کیا۔

آپ عربی اردو اور فارسی کے بہترین ادیب بھی تھے۔ عربی ادبی قوت بے مثل تھی۔ عربی زبان کے بڑے ماہر اور بے تکان و بے تکلف بولتے تھے اس وقت حدیث و فقہ میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔ اب ایسے جامع علوم اور عمیق علم و فضل کے حاصل محدث کہاں پیدا ہوں گے۔ آخر وقت میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ کے شیخ الحدیث رہے۔ اور وفات سے چند روز قبل تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ کراچی میں حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر پاپوش نگر قبرستان میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مرد حق کے علمی کارناموں اور خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیو ب
کے ممتاز علماء و فضلاء میں سے تھے۔ قوی الاستعداد اور استحضار علم کے سا
معروف فقہ و ادب میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔ میرا ان کا تعلق بھائیوں جیسا تھا او
تقریباً" سارے ہی مبادیات تعلیم و تربیت میں ابتداء انتہاء ہم ساتھ ہی رہے۔ در
فارسی سے لے کر دورہ حدیث اور کتب عالیہ میں رفاقت رہی حتی کہ سیرو تفر
میں بھی رفاقت ہی رہتی تھی۔ حج وغیرہ میں بھی اکٹھے شرکت ہوتی تھی۔ جب
حضرت شیخ الہند قدس سرہ اسارت مالٹا سے رہا ہو کر وطن واپس تشریف لائے تو
اکٹھے ہی ان سے بیعت ہوئے۔ اور پھر ان کے وصال کے بعد احقر ہی کی معیت
حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی طرف رجوع کیا اور حضرت م
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی۔

تعلیمی فراغت کے بعد دار العلوم دیو بند کے اساتذہ اور ذمہ داروں
آپ کے علم و استعداد پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کو دار العلوم کا ابتدائی درج
مدرس بنایا پھر آپ جلد ہی اپنی علمی قابلیت و لیاقت سے اعلی مدرسین میں شامل
گئے۔ پھر آپ کی استعداد کی کمال کی بناء پر آپ کو دار العلوم کا صدر مفتی قرار د
دیا گیا گویا حضرت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمان عثمانی قدس سرہ کا قائم مقام بنایا"
یہ سب آپ کی لیاقت اور قوت علمی کے آثار تھے۔ آپ تعلیم ظاہر کے ساتھ
باطن میں بھی کمال کو پہنچے اور اسی لئے الحمد للہ آج آپ کے متوسلین و عقیدت
بکثرت موجود ہیں۔ اور مخلوق خدا کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔

آپ کو تصنیف و تالیف کا ذوق بھی ابتداء سے تھا۔ فقہ و حدیث
مناظرہ میں نہایت مفید تصانیف کا ایک عظیم ذخیرہ موجود ہے جو آپ کے قلم
اور خواص و عوام کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ شعرو شاعری کا ذوق بھی
طالب علمی سے تھا۔ عربی فارسی اور اردو میں نہایت عمدہ قصائد مراثی اور وا
نظمیں لکھی ہیں جن کا مجموعہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ آخری دور میں تفسیر معا

القرآن لکھی جو علم تفسیر میں ان کا عظیم کارنامہ ہے اور بقول مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ آپ نے اس تفسیر کو تالیف فرما کر علماء کرام مفسرین کرام اور پوری ملت اسلامیہ پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے پاکستانی قومیت اختیار فرمائی اور یہاں سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے گئے تو میں کسی مرنے والے کے لئے بھی اتنا کبھی نہ رویا جتنا آپ کے فراق پر رویا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سب گھر والے سہ، پریشان ہو گئے تھے کہ آخر کیا حادثہ پیش آگیا جو اتنا گریہ طاری ہے' یہ سب تعلق کی بناء پر تھا کہ ابتدائے عہد سے ہم رفیق رہے تھے۔ ان کا نام نامی سامنے آتے ہی اپنے باہمی تعلقات کی وہ پوری تاریخ یک دم سامنے آجاتی ہے جس میں احقر اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل عرصہ گزارا ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی معیت احقر کو شروع سے حاصل رہی ویسی کسی دوسرے ہم درس و ہم سبق کے ساتھ نہیں رہی۔ یہ رفاقت رسمی اور ظاہری نہ تھی بلکہ حقیقی اور معنوی تھی جس کی قدر و قیمت اس مخلصانہ تعلق سے بیش از پیش ترقی پذیر رہی اور جس کا تسلسل برس ہا برس قائم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے انتقال مکانی سے احقر کو جتنا ملال اور رنج پہنچا' شاید کسی اور کے جانے سے طبیعت اتنی متاثر نہیں ہوئی حتی کہ اپنے مکان میں بیٹھ کر بہت دیر آنسوؤں سے روتا رہا۔ اور تب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فراق کا یہ سبب کھلا۔

ابتدائی تعلیم میں ہم دونوں ہم درس و رفیق رہے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فارسی کے مسلمہ استاذ اور قطب عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھے۔ ان کے یہاں فارسی کی تعلیم ایک ساتھ ہوئی پھر اس سے اوپر کی عربی تعلیم شروع ہوئی تو اس میں بھی وہی میرے مستقل رفیق درس تھے۔ تعلیم جن اساتذہ سے پائی وہ بھی مشترک ہی تھے۔ اساتذہ کی غیر معمولی عنایات و توجہات میں بھی ہم دونوں شریک رہے۔ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ' عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث عصر حضرت الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا رسول خان صاحب' حضرت علامہ محمد

ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ' جیسے اساطین علم خوش بختی سے ہمیں ملے۔ اس طرح آغاز تعلیم سے لے کر تکمیل تک حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلیمی و تدریسی رفاقت مسلسل رہی۔ یاد نہیں پڑتا کہ اس رفاقت و معیت میں کبھی کوئی فکری و ذہنی انقطاع رونما ہوا ہو۔ اگرچہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی مصروفیات و مشاغل علم میں سبقت ان کے کسی ہم درس و رفیق کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ اس میدان میں سب سے آگے تھے۔ تعلیمی دور ختم ہو جانے پر بھی یہ رفاقت اس شکل میں برقرار رہی کہ فراغت کے بعد دونوں ہی کو دارالعلوم کی خدمت انجام دینے کا ایک ساتھ ہی موقع ملا۔ احقر کا اولاً'' تدریس سے اور ثانیاً'' انتظامی امور سے تعلق ہوا اور مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اولاً'' تدریس سے اور ثانیاً'' افتاء سے تعلق ہوا۔ پھر یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ مسترشدانہ تعلق میں بھی یہ اشتراک و توافق سامنے آیا کہ ہم دونوں خانقاہ امدادیہ کے حاضر باش اور فیوض اشرفیہ کے خوشہ چیں بنے اور اس میں بھی معیت و رفاقت اس درجہ کی رہی کہ حضرت مرشد تھانوی نور اللہ مرقدہ کی عنایات و افاضات ہم دونوں پر مسلسل مبذول رہی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر مقامات طے کرتے چلے گئے۔ احقر دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے سبب اس راہ سلوک میں اتنا تیز رو نہ بن سکا گو حضرت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما کر تسلی بھی فرما دیا کرتے تھے کہ ان مشاغل میں نیت مجاہدے کی کر لی جائے تو اس میں وہی ثمرات مرتب ہوں گے جو ذکر شغل پر ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ' لیکن بہرحال وہ طبعی مشغلہ علمی ہمہ وقت بروئے کار نہ رہ سکا۔ تاہم حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی رفاقت ہمہ وقت میسر رہی جو ایک طویل مدت پر مشتمل ہے۔ وہ میرے صدیق حمیم و رفیق قدیم تھے۔

جب احقر کو نیابت اہتمام کے بعد اہتمام کی مرکزی اور بنیادی ذمہ داری اکابر کی طرف سے تفویض فرمائی گئی تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسوخ فی العلم اور تفقہ فی الدین کی بناء پر صدارت افتاء تک جا پہنچے جو دارالعلوم دیوبند کے ممتاز مناصب اور اعلیٰ ترین اعزاز میں شمار کیا جاتا ہے اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب یہاں سے پاکستان تشریف لے گئے تو وہاں بیٹھ کر بھی افتاء اور تفقہ پر جتنا کام تن

تنہاء انہوں نے کیا درحقیقت وہ ایک جماعت کا کام تھا جو تنہا ایک فرد نے انجام دیا تھا۔ حتی کہ اپنی ان خدمات کی بدولت رائے عامہ نے آپ کو مفتی اعظم پاکستان کا لقب عطا کیا جو یقیناً" ان کے شایان شان تھا۔

میری جب کبھی بھی پاکستان حاضری ہوتی تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ ملاقات سے پہل فرماتے اور اپنے قائم کردہ دارالعلوم میں لے جانا اور علمی جلسے اور مجالس منعقد کرنا ایک لازمی بات تھی۔ خود ان جلسوں میں شریک رہتے اور مجھ پر تقریر کا اصرار فرماکر تقریر سنتے اور غیر معمولی طور پر محظوظ و محسوس ہوتے تھے۔ یہ تو اپنے راست تعلق کی باتیں تھیں جو سینے میں محفوظ ہیں اور سینے سے سفینے پر قلم برداشتہ آگئیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام بزرگوں کی نگاہ میں کیا تھا اس کی نوعیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی قدس سرہ کے اخیر عمر کے فتاوی کی ایک خاص تعداد ایسی تھی جن پر وہ نظر ثانی نہیں فرما سکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے ان کے فتاویٰ پر نظر ثانی کے لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا انتخاب کیا تھا۔ اس سے ان کی دقت نظر اور تفقہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انہی خصوصیات نے ہم عمروں میں انہیں ایک ممتاز مقام عطا کیا تھا۔ ان کی زندگی کا آخری شاہکار تفسیر معارف القرآن ہے۔ یہ ایک ایسی عظیم و رفیع قرآنی خدمت ہے کہ اگر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف یہی ایک خدمت انجام دیتے تو ان کی عظمت و رفعت اور عنداللہ کی مقبولیت کے لئے کافی تھا لیکن اس کے علاوہ ان کی علمی خدمت اپنی جگہ اتنی اہم اور نفع بخش ہے کہ عوام و خواص اس سے مستغنی نہیں رہ سکتے اور ہر اہل علم حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہے۔ غرض دارالعلوم دیوبند کے مکمل ترجمان علماء حق کی سچی نشانی اور خانقاہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر نمائندے تھے۔ ان کی وفات سے نہ صرف پاکستان کے صف اول کے علماء دیوبند میں ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا بلکہ خود دارالعلوم دیوبند کے لئے یہ ایک ایسا صدمہ ہے جسے وہ بالخصوص ایسے مواقع پر شدت سے محسوس کرتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے اجلاس صد سالہ اور تقریب دستار

بندی کے اہتمام میں مصروف۔ ہے جس میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کی شرکت اجلاس کو چار چاند لگا دیتی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس اجلاس کا بہت انتظار تھا۔ اور بڑے شوق و جذبہ سے اس میں شرکت کے لئے آمادہ تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا قلق تو یقیناً" مرتے دم تک رہے گا البتہ جو بات قابل رشک اور لائق اطمینان ہے وہ یہ کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لائق اخلاف چھوڑے بلا شبہ مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا محمد رفیع عثمانی و اخوانہم سلمہم اللہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زندہ کارنامے ہیں جو الولد سرلابیہ کے سچے مصداق ہیں جنہیں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نسبی جانشینی کے ساتھ علمی وراثت بھی بجا طور پر اس طرح منتقل فرمائی کہ انشاء اللہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا شجر طوبی زیادہ سے زیادہ برگ و بار لائے گا اور ارباب علم و فضل اس کی گھنی چھاؤں سے برابر مستفید ہوتے رہیں گے۔

الغرض حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سانحہ ارتحال کی خبر مشتہر ہوتے ہی پورے دارالعلوم میں صدمہ کی ایک لہر دوڑ گئی اور دارالعلوم کے علمی حلقہ میں رنج و غم کے گہرے بادل چھا گئے۔ سب جمع ہو گئے اور فوراً" کلمہ طیبہ اور قرآن کریم کا ختم کرا کر ایصال ثواب کرایا گیا اور احقر نے ان کی صفات حمیدہ ظاہر کر کے غم میں ڈوبی ہوئی تقریر کی۔ پورا دارالعلوم تعزیت گاہ بن گیا تھا۔ پھر دارالعلوم کو دو دن کی تعطیل دی گئی کہ طلباء و اساتذہ ان ایام میں جس قدر بھی ممکن ہو ایصال ثواب میں مشغول رہیں۔ احقر نے جو تقریر کی اس کے چند خاص جملے یہ ہیں کہ

"حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے۔ دارالعلوم کے ایک قیمتی جوہر اور عظیم فرزند تھے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی بناء پر سارے ہی طبقہ اہل علم کے معتمد اور مسلم تھے۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اسلاف کا ذوق ان میں پوری طرح رچا بسا تھا وہ ہر جزوی مسئلہ میں بزرگوں کے اتباع کو ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا علم اور ان کی دینی خدمات زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی اور اس سے ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔

آپ نے کراچی میں دارالعلوم کے نام سے علوم دینیہ کی ایک عظیم درسگاہ بھی قائم کی جو آج پاکستان میں مرکزی حیثیت کی ایک ممتاز تعلیم گاہ ہے۔ گورنمنٹ پاکستان نے اسلامی قانون کی تدوین کے لئے علماء کی ایک کمیٹی بنائی تھی آپ اس کے بھی ممبر رہے۔ قرار داد مقاصد پاس کرانا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ شیخ الاسلام کے بعد آپ ہی جمعیت علماء اسلام کے قائد منتخب ہوئے۔ اور آخر دم تک نظام اسلام کے لئے کوشاں رہے۔ آپ کی وفات کا صدمہ صرف ایک گھرانے کا نہیں بلکہ پورے دارالعلوم اور سارے علمی حلقے کا ہے۔ پھر بھی اس شدید غم میں وجہ تسلی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ترکہ میں جہاں ایک بڑا علم چھوڑا جو ان کی کثیر تصانیف میں محفوظ ہے۔ وہیں الحمدللہ قابل اولاد بھی چھوڑی جس سے بھرپور توقع ہے کہ ان کے آثار اور باقیات الصالحات کو من و عن باقی رکھیں گے۔ بالخصوص عزیزم مولانا محمد تقی سلمہ سے ہماری امیدیں زیادہ وابستہ ہیں۔ اب انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حق تعالیٰ ہماری ان آرزوؤں کو پورا فرمائے اور حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، علم و فضل اور خدمات پر جتنا کچھ عرض کیا جائے کم ہے۔ دفعتہ" ذہن پر جو یادوں کی پرچھائیاں آئیں مختصرا" بیان کیں ورنہ مفتی صاحب کا تذکرہ لذیذ بود حکایت دراز تو گفتن کا مصداق ہے۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلوم ہو کر مزید صدمہ ہوا کہ جس رات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اسی رات اور اسی تاریخ ۱۱ شوال ۱۳۹۶ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈھاکے میں وصال فرما گئے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ○

حضرت مولانا اطہر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیو بند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ مولانا تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ خاص تھے۔ انہوں نے سابقہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں قابل قدر علمی و دینی خدمات انجام دیں وہ اس وقت بنگلہ دیش کے مشاہیر علماء میں بلند مقام پر فائز تھے۔ علمی و سیاسی کارناموں کی وجہ سے بہت مشہور و معروف بزرگ تھے۔ "جامعہ امدادیہ" کے نام سے انہوں نے بنگلہ دیش میں ایک عظیم الشان دینی درسگاہ بھی قائم کی تھی جو اپنی تعلیمی اور تعمیری لحاظ سے ایک ممتاز درسگاہ تھی۔ اور ہزاروں طلباء نے وہاں سے استفادہ کیا۔ آپ اپنے ادارے میں ہند و پاک کے جید علماء کو دعوت دیتے رہتے تھے۔ احقر کی بھی کئی بار ان کے یہاں حاضری ہوئی۔ نہایت متواضع ' مہمان نواز اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے فیض یافتہ تھے اور ساری زندگی اسی تھانوی طریقہ پر گزاری۔ ایک جامع علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ملکی و سیاسی کاموں میں بھی عملی حصہ لیتے رہے او، اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں صعوبتیں بھی برداشت کیں اور ساری عمر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں مصروف رہنے کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے علوم کے امین تھے۔ جن کی ذات سے حضرت کے علوم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی۔ علمی دنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ اور مقام ہے۔ ادبیت اور عربی و فارسی کی ادبی قوت بے مثال تھی۔ عربی زبان میں بے تکان اور بے تکلف بولتے تھے۔ جس میں برجستگی اور روانی ہوتی تھی۔ عربی تحریر اور انشاء پردازی میں ایک بے نظیر صاحب طرز اور متعدد اعلیٰ کتب کے مصنف ' ترمذی شریف ' کی نہایت ہی جامع اور بلیغ شرح لکھی جس میں محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے کلام کیا گیا ہے اس کی عربیت اور طرز ادا معیاری ہے اور ذخیرہ معلومات بہت کافی ہے۔ اس سے تبحر اور تفقہ دونوں نمایاں ہیں۔ آپ نے مصر ' بیروت ' شام ' حجاز ' عراق اور افغانستان وغیرہ کے سفر کئے۔ مصر میں علماء دیو بند کا سب سے پہلے آپ نے تعارف کرایا۔ اور وہاں کے اخبارات و رسائل نے آپ کے بلیغ مضامین نہایت شوق و ذوق سے شائع کئے جس سے مصر و شام میں آپ کی علمیت کا چرچا ہی نہیں ہوا بلکہ دھاک بیٹھ گئی اور معیاری علماء کی مجلسوں میں آپ کو نہایت توقیر اور احترام کے ساتھ طلب کیا جانے لگا۔ علامہ طنطاوی مصری صاحب تفسیر طنطاوی پر آپ نے مصنف کے روبرو نقد و تبصرہ کیا۔ جس سے خود مصنف متاثر ہوئے اور بہت سی تنقیدات کو انصاف پسندی کے ساتھ انہوں نے قبول کیا اور یا استاذ کے الفاظ سے خطاب کیا۔ عربی میں بھی برجستگی اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ موتمر عالم اسلامی قاہرہ مصر میں رئیس وفد پاکستان کی حیثیت سے آپ کو بلایا گیا اور وہاں آپ نے مسلک علماء دیو بند کے مطابق مسائل پر نقد و تبصرہ فرمایا۔ بعض مسائل کے متعلق آپ کے مقالہ کو بہت اہمیت دی گئی اور کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ آپ نے جامع اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت الاستاذ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی کافی عرصہ تک تدریس کی

خدمت انجام دی پھر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں درس حدیث دیتے رہے۔ اور کراچی میں آپ نے اپنا ایک مثالی دار العلوم قائم فرمایا اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر نیو ٹاؤن کی عظیم مسجد میں ابتداء" زہد و قناعت اور بے سرو سامانی کے ساتھ تعلیمی دینی شروع کر دی۔ فقر و فاقہ تک کو برداشت کیا مگر کار تعلیم و تدریس جاری رکھا۔ سنت الیہ کے مطابق آخر میں لوگوں کا رجوع ہوا۔ اور آج یہ دار العلوم کئی لاکھ کی عمارت ہے جس میں پندرہ بیس کے قریب اساتذہ کار تعلیم و تدریس میں مشغول ہیں ۔ حدیث و فقہ میں آپ کی استعداد و لیاقت ممتاز حیثیت رکھتی ہے جسے ان کے ہم عصر بھی بطوع و اعتراف تسلیم کرتے ہیں۔ آپ فضلاء دیوبند میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اور ملک بھر میں معروف تھے۔ صوبہ سرحد آپ کا وطن تھا اور آخر وقت تک بحیثیت مہتمم و ناظم اعلی دار العلوم نیو ٹاؤن کراچی علمی و دینی خدمات میں مصروف رہے۔ ذیلقعدہ ۱۳۹۷ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کی رحلت دو حیثیتیں ہیں ایک تو نفس وصال کی جس کا تعلق حضرت مولانا مرحوم کی ذات سے ہے دوسرے فراق کی جس کا تعلق حضرت مولانا کے پسماندگان سے ہے۔ جہاں تک پہلے کا تعلق ہے اس میں رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بوجہ علم و اخلاق اور زہد و تقوی کے فائز المرام تھے۔ لہذا اللہ نے یقیناً" بخشش کا بلکہ مراتب عالیہ کا معاملہ فرمایا ہو گا۔ اور جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے وہ واقعی قابل رنج و غم ہے۔ مگر اس میں بھی بفحوائے قول خداوندی ان مع العسر یسرا ایک وجہ تسلی کی نکل آسکتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بعض عارفین نے پوچھا کہ آپ پر کیا گزری ؟ یہ پہلی بات تو یہ فرمائی کہ علماء سے سن رکھا تھا کہ موت بڑی چیز ہے' بڑی سخت چیز ہے' بڑے ہی درد قلب کی چیز ہے۔ مجھے تو کچھ معلوم ہی نہیں ہوا۔ میں تو فقہ کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا سوچتے سوچتے دنیا سے آخرت میں پہنچ گیا۔ مجھے خبر نہیں کیا گزری' دوسرا جملہ فرمایا کہ حق تعالی نے مجھے بخش دیا اور یہ فرمایا کہ اے محمد' اگر ہمیں بخشنا نہ ہوتا تو ہم اپنا علم کیوں تیرے سینے کے اندر ڈالتے۔ علم تو تقوی کی چیز ہے تو یہی صورت مولانا محمد

یوسف نبوری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے کہ حق تعالی نے ان کے سینے میں علم ڈالا اور علم بھی ایک امتیازی درجہ کا، اپنے اساتذہ کرام بالخصوص حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی جتنی امانت مولانا نبوری رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں تھی۔ ان کے تلامذہ میں یہ نوعیت کسی کی نہ تھی اور ان علوم پر جتنا افادہ انہوں نے فرمایا یہ بھی امتیازی چیز ہے جو انہیں حاصل تھی۔ اتنا بڑا علم کتاب و سنت کا جب ان کے دل میں اللہ نے ڈالا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہ یقین ہے کہ مراتب بھی بلند ہوں گے وہ تو اونچے مقام پر پہنچے ہیں۔ ان کے حق میں کوئی رنج کی چیز نہیں ہے البتہ رنج اور صدمہ تو پسماندوں کا ہے کہ جن سے ایک نعمت چھن گئی۔ اس واسطے رنج و صدمہ اپنے فراق کا ہے ان کے وصال کا نہیں ہے۔ حق تعالی ہمیں صبر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے ناظم اعلیٰ اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ ارشد تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے بعد ہندوستان میں جس علمی ادارے نے عالمی شہرت حاصل کی وہ مدرسہ مظاہر العلوم ہے۔ ۱۳۷۴ھ میں آپ مظاہر العلوم کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اور آخر وقت تک اسی منصب پر فائز رہے۔ اس زمانہ میں مظاہر العلوم نے ہر لحاظ سے ترقی کی منازل طے کیں۔ آپ نے اپنی ساری زندگی درس و تدریس، تبلیغ و ارشاد اور مدرسہ کی خدمت میں گزاری ہے۔ ہزاروں طالبان علم نے آپ سے استفادہ کیا اور ہزاروں نے اصلاح و تربیت حاصل کی۔ آپ اپنے وقت کے عظیم محدث و مفسر، فقیہ و ادیب اور عارف تھے۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خندہ جبیں تھے۔ عالم شباب میں ایک کامیاب مقرر اور مناظر ثابت ہوئے۔ آریوں، قادیانیوں اور دیگر باطل فرقوں کے ساتھ آپ نے کامیاب مناظرے و مباحثے ادا کئے اور اپنے حریفوں کو ہمیشہ شکست دی۔ شعر و سخن سے بھی آپ کو خصوصی شغف تھا۔ اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں آپ برجستہ اور فی البدیہہ اشعار کہتے تھے۔ مزاج میں انبساط بھی خوب تھا۔ نہایت خوش اخلاق اور لطیف الروح تھے۔ بہت سی کتب کے مصنف تھے۔ تحریر و تقریر نہایت سلیس و شگفتہ تھی۔ اور اد و ظائف کے پورے طور پر پابند تھے۔ اور تقوی و طہارت میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ ۱۵ رجب ۱۳۹۹ھ شب میں رحلت فرمائی۔ اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب تدفین ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کے دیرینہ رفیق اور معتمد خاص رہے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بھانجے تھے۔ اور میرے عزیز بھی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بہن دیو بند میں ہمارے ہی خاندان میں بیاہی تھی جن سے مولانا سعید احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی پیدا ہوئے۔ یہ دونوں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہوتے تھے۔ اس طرح مولانا احتشام الحق مرحوم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علاقائی بہن کے بطن سے تھے اور بھانجے ہوتے تھے اس لئے ان سے عزیز داری کی صورت میں قائم تھی۔ جب وہ دارالعلوم دیو بند پڑھنے کے لئے آئے تو اتفاق سے کمرے سب گھر چکے تھے اور کوئی جگہ رہنے کے لئے مل نہیں رہی تھی تو میں نے دفتر اہتمام کے بالکل اوپر کا کمرہ جو دفتر اہتمام کا جزو تھا ان کے لئے خالی کرا دیا اور انہیں وہاں رکھا۔ مولانا مرحوم کئی سال دارالعلوم میں مقیم رہے اور نہایت نیک نامی کے ساتھ زمانہ طالب علمی پورا کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ دہلی چلے گئے۔ ان کے بڑے بھائی عزیز الحق مرحوم دہلی ہی میں سرکاری ملازم کی حیثیت سے رہتے تھے۔ مولانا مرحوم بھی ان کے پاس مقیم تھے۔ قیام دہلی کے زمانے میں ان کا معمول تھا کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے ماہ مجھے نئی دہلی بلاتے اور گریجویٹوں کو جمع کرکے مجھ سے تقریریں کرواتے اور بہت مسرور ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو ان کے بھائی اور گریجویٹ طبقہ کے بکثرت افراد پاکستان چلے گئے۔ مولانا ممدوح بھی ان کے ساتھ پاکستان پہنچ گئے اور وہیں بس گئے لیکن میرے ساتھ وہ قدیم تعلق بدستور باقی رکھا۔

مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کو قدرت نے ذکاوت و ذہانت سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ علمی استعداد ان کی اپنی محنت کا ثمرہ تھا۔ اس لئے اس وہبی اور کسبی نعمت نے مل کر انہیں اونچا اٹھایا اور بہت جلد مقبول خواص و عوام بن گئے۔

درس و تدریس کا عرفی انداز میں مشغلہ تو نہیں رہا مگر وعظ خطابت سے پاکستان کے باشندگان کو ان سے کافی نفع پہنچا۔ کراچی میں جیکب لائن کی جامع مسجد میں خطیب کی حیثیت سے ان کا فیضان عام ہوتا رہا اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان کے کلام اور اخلاق سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ آخر میں سیاسی امور میں بھی لوگ ان کی قیادت تسلیم کرنے لگے جس سے مولانا ممدوح ایک زعیم کی حیثیت سے بھی نمایاں ہوئے اور مقبولیت عامہ پیدا کرلی۔ اور بحیثیت فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے ان کی خدمات پایہ اعتبار و قبول کو پہنچتی رہیں۔

مولانا مرحوم بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھی تھے۔ جو طبعی ذکاوت کا خاصا ہوتا ہے۔ کراچی میں ایک صاحب اتفاق سے میرے سامنے آئے۔ انہیں بخار کی شکایت تھی کہنے لگے کہ بخار آگیا ہے میں نے کہا۔ مبارک ہو' ہم تو مسلم ہی تھے۔ آپ ماشاء اللہ مسلم ہونے کے ساتھ بخاری بھی ہو گئے اور یقیناً" مولانا احتشام الحق سے بڑھ گئے۔ مولانا احتشام الحق برجستہ بولے کہ نہیں جناب' آپ اگر مسلم اور یہ بخاری ہیں تو میں الحمد للہ مسلم و بخاری ہونے کے ساتھ نسائی بھی ہوں کیونکہ کبھی کبھی بخاری بھی ہو جاتا ہوں اس لئے مجھ میں تین وصف ہیں۔ بہرحال عملی طور پر بذلہ سنج اور لطافت گو تھے۔ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ پر مولانا کی کافی نظر تھی اور کہا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے چالیس وعظ مجھے تقریباً" ازبر ہیں۔ بہرحال علمی استعداد' طبعی ذکاوت' حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اور ان کے مواعظ میں مہارت نے مل کر ان کی شخصیت کو بہت اونچا کر دیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے سلسلہ میں دیوبند کے لئے روانہ ہوئے مگر ویزا ملنے میں دیر لگی اس لئے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ ایک دن بعد پہنچے۔ اطلاع ہونے پر میں ملنے کے لئے چلا تو معلوم ہوا کہ پاسپورٹ کی انٹری کرانے سہارنپور چلے گئے ہیں۔ وہاں سے شب میں کسی وقت واپس ہوئے۔ ارادہ تھا کہ صبح کو ان سے ملوں گا لیکن معلوم ہوا کہ ابھی شب میں منگلا ڈیم ایکسپریس سے مدراس روانہ ہو گئے۔ ملاقات نہ ہو سکی جس کا افسوس رہا طبعی طور پر خیال تھا کہ

اپسی میں انہیں دیو بند آنے کے لئے لکھا جائے گا کہ اچانک مدراس پہنچ کر عالم
خرت کے لئے سدھار گئے اور جان ' جان آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ و انا
یہ راجعون ○

پاکستان ایک اچھے ذہین و ذکی عالم سے محروم ہو گیا۔ یہ اہل مدراس کی خدا
ی اور اخلاق کا جذبہ تھا کہ انہوں نے ہوائی جہاز کے ذریعہ نعش کو کراچی بھیجنے کا
روبست کیا۔ جن سے ان کے پسماندہ اہل و عیال ان کی زیارت کر سکے اور اہل
راس کے ممنون اور ان کے حق میں دعا گو ہوئے۔ پاکستان میں مولانا مرحوم
رالعلوم دیو بند کے ترجمان اور شیخ الاسلام علامہ عثمانی قدس سرہ کے علوم و
ارف کے امین رہے۔ ان کی وفات سے صرف پاکستان ہی نہیں پورے عالم اسلام
نقصان ہوا ہے اور ہمیں بے حد رنج و قلق ہوا ہے۔ حق تعالی مولانا کے درجات
فرمائے۔ آمین

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپو کے شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز رہے تھے۔ آپ شریعت و طریقت کے جا اور علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے مینار تھے۔ انہوں نے اکابر سے فیض حاصل کیا۔ خصوصاً" حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے آپ کا علمی و روحانی رشت بہت قریبی رہا۔ ان کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ' حضرت مولا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ' اور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و فیوض سے بھ مالا مال ہوئے پھر زندگی بھر درس و تدریس ' تبلیغ و ارشاد اور اصلاح و ترتیب میں معروف رہے۔ بہت سی تصانیف اپنے قلم سے تالیف کیں۔ ہزاروں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ کے یہاں اتباع سنت اور عظمت سلف کا خاص اہتمام تھا ۱۳۸۸ھ سے مستقلاً" مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہاں کے زمانہ قیام میں امراض و اعذار کی وجہ سے درس و تدریس کا سلسلہ تو قائم نہ فرما سکے البتہ حدیث کی اجازت لینے والوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سینکڑوں علمائے عرب نے بھی آ سے اجازت حدیث حاصل کی۔ یکم شعبان ۱۴۰۲ء کی شب میں مدینہ منورہ میں رحلت رمائی اور جنت البقیع میں ان کے شیخ عربی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ حق تعالیٰ ان کی یہ آرزو پوری فرمادی عمر کے آخری لمحات میں مدینۃ الرسولؐ میں بسر ہوں اور جنت البقیع میں ا شیخ کے قدموں میں مدفون ہوں۔ یہ ان کے لئے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے ہمارے لئے تو ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ سب ہی بزرگ و اکابر اور معاصر چکے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری حالت پر رحم فرمائے۔ اور ان کو درجات عالیہ نوازے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت مفتی اعظم مولانا الشیخ مفتی عزیز الرحمان عثمانی قدس سرہ کے فرزند رشید اور دارالعلوم دیو بند کے ہونہار فاضل ہیں۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ درسیات سے فراغت کے بعد دارالعلوم کے درس و تدریس کے سلسلے میں لئے گئے پھر دارالافتاء میں اپنے والد بزرگوار کی زیر تربیت افتاء نویسی کی مشق کی اور دارالافتاء میں بحیثیت نائب مفتی کام شروع کیا اور فتوی نویسی میں مہارت حاصل کی۔ ایک عرصہ تک حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر ایک عرصہ دراز تک کلکتہ میں مقیم رہے اور وہاں کے لوگوں کو علم اور دین سے مستفید کیا۔ اس کے بعد دہلی آکر ادارہ ندوۃ المصنفین قائم کیا جو وقت کا ایک بہترین معیاری ادارہ ہے۔ جس نے اسلامی علوم و فنون کی بہت سی قابل قدر تصانیف ملک کے سامنے پیش کیں۔ آپ اس وقت دہلی کے مشاہیر علم و فضل میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بہت سے علمی اور دینی اداروں کے ممبر ہیں۔ اور مرکزی حج کمیٹی کے صدر ہیں۔ گورنمنٹ ہند بھی آپ کی بات کا اثر لیتی ہے۔ قومی کاموں میں آپ کا خاص حصہ ہے۔ تحریک آزادی ہند کے سپاہیوں میں سے ہیں۔ جمعیت علماء کے کاموں میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست رہے ہیں اور ان کے وصال کے بعد جمعیت علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے اور تادم تحریر اسی عہدہ پر فائز ہیں۔ دارالعلوم کی مجلس شوری کے موثر ممبروں میں سے ہیں۔ جری اور شیر دل مقرر ہیں۔ بیرونی ممالک میں بھی آپ کی آمدورفت رہتی ہے۔

حال ہی میں آپ نے روس کے بعض دینی اداروں کی دعوت پر روس کا سفر کیا تھا۔ مجموعی حیثیت سے دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان رحمۃ اللہ علیہ بھی تقریباً" ایک سال صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء (۱۴۰۴ھ) کو دہلی میں وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

تفہیم البخاری

عربی متن اور اردو شرح

صحیح بخاری شریف

فخر دوعالم سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرماکر سولہ سال میں مرتب کیا ہے، قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لا ثانی کتاب ہے جس میں قطعی سچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

اہم خصوصیات :

﴿۱﴾ اطمینان بخش ترجمانی اور عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔

﴿۲﴾ احادیث رسول ﷺ کے مسائل حاضرہ سے کامل انطباق

﴿۳﴾ حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔

﴿۴﴾ بخاری شریف کے لطائف و خصوصیات کی کامل رعایت۔

﴿۵﴾ قدیم و جدید شارحین کی گرانقدر تحقیقات سے پوری کتاب آراستہ و مزین

﴿۶﴾ فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں، اور محدثین و فقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔

﴿۷﴾ ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ و تشریح

سائز: ۲۰×۳۰ قیمت کامل سیٹ مجلدؔ ۶ جلد = ۱۲۰۰

ناشر: مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یو پی)

کشف الاسرار

ترجمہ و شرح اردو

دُرِّ مختار

ترجمہ اردو مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ادارہ فیض القرآن نے موجودہ دور کی اہم ضرورت کے پیش نظر فقہ حنفی کی جامع مفید اور مستند ترین کتاب درمختار مع شرح صاف و سلیس اردو میں شائع کیا ہے، مسلم پرسنل لاء (یعنی مسلمانوں کے قانون کی معتبر ترین کتاب) کی طباعت یقیناً ایک بڑی خدمت ہے، جس میں پاکی، ناپاکی، حج، روزہ، زکوٰۃ، نکاح، وطلاق غرض روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والے ہر مسئلہ کا شرعی حل موجود ہے، اس لئے اس کتاب کا ہر مسلمان کے گھر میں ہونا وقت کی شدید ضرورت ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات:-

(۱) ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی ہے، تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور ان کو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔

(۲) عربی متن خط نسخ (عربی خط) میں لکھا گیا ہے، اور ترجمہ خط نستعلیق (اردو خط) میں۔

(۳) عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے، اس ترجمہ میں اس عنوان کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔

(۴) کہیں کہیں عربی کے مشکل الفاظ کی تحقیق و تشریح، حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

(۵) شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

(۶) ترجمہ میں جہاں جہاں کسی کتاب سے مدد لی گئی ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۷) ضروری مسائل کا اضافہ۔

قیمت کامل سیٹ تین جلد ۔/۶۰۰ روپے

ناشر: مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

مکتبہ فیض القرآن کی اہم مطبوعات

فتاویٰ شامی کامل
معہ تقریرات رافعی

تفہیم البخاری شرح
بخاری شریف کامل

درمختار اردو معہ عربی۔

حدیث کا درایتی معیار

خطباتِ توحید

رسول اکرم کا طریقہ نماز

تاریخ اسلام (اکبر خاں) کامل

تاریخ الاسلام (محمد میاں) کامل

خطبات حکیم الاسلام کامل

سیرت ابن ہشام جلد اوّل۔

نماز پیمبر۔

تفسیر معارف القرآن کامل

احکام میت

احکام الاسلام

تقویۃ الایمان

اشرف الجواب

احکام اسلام عقل کی نظر میں

اسلام اور جدید دور کے مسائل

افضل المواعظ

اکرم المواعظ

اشرف المواعظ

آداب المعاشرت

پتہ

مکتبہ فیض القرآن نزد مسجد چھتہ دیوبند، سہارنپور (یو۔پی)

فون نمبر ۲۲۴۰۱ (۰۱۳۳۶)